چراغِ روشن

اور

حکیم پیر ناصرِ خسروؒ ق س

ایک علمی کائنات

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

چراغِ روشن

اور

حکیم پیر ناصر خسروؒ ایک علمی کائنات

یکے از تصنیفات

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
ریسرچ ایسوسی ایٹ یونیورسٹی آف مونٹریال
کنیڈا

خانۂ حکمت — ادارۂ عارف
۲۔ اے نوروِیلا۔ ۲۶۹ گارڈن ویسٹ کراچی ۳ ۔ (پاکستان)

کوہِ قاف کا راستہ

کوئی کہتا ہے کہ کوہِ قاف ہے اور کوئی کہتا ہے کہ دنیا میں کوہِ قاف کا کوئی وجود ہی نہیں، میں عرض کروں گا کہ کوہِ قاف اپنے بیشمار عجائب و غرائب کے ساتھ ایک ایسے مخفی مقام پر موجود ہے کہ اسکا کوئی راستہ ہے ہی نہیں مگر حقیقی علم اور روحانیت، بس کتنی بڑی نیک بختی ہے ایسے خاص مومنین کی جو ہمیشہ حقیقی علم اور روحانیت کی مقدس خدمت میں لگے ہوئے ہیں جیسے جناب کیپٹن محمد یار بیگ ابنِ حرمت اللہ بیگ حیدرآباد (ہونزہ) جناب احمد حسین ابنِ نیت شاہ، کریم آباد (بلتت) جناب عبدالمجید ابنِ نعمت خان، حسن آباد اور جناب فرمان علی ابنِ علی حرمت، آغاخان آباد (علی آباد)۔

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

This page left blank intentionally

پیش گفتار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

ابنِ مریم (حضرتِ عیسیٰ) علیہ السّلام نے بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کی: اللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنزِل علینا مآئِدَۃً مِّنَ السَّمَاءِ تکونُ لنا عیداً لِّاَوَّلنا وَ اٰخرِنا وَ اٰیۃً منک ج وارزقنا وانت خیر الرّازقین (۵/۱۱۴)۔

اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر (روحانی اور عقلانی) آسمان سے ایک خوان (پُراز نعمت) نازل فرما کہ وہ ہم لوگوں کے لئے، ہمارے اگلوں کے لئے اور پچھلوں کے لئے عید کا دن (یعنی بار بار آنے والا جشن، خوشی کے عود کرنے کا دن) قرار پائے، اور (ہمارے حق میں) تیری طرف سے یہ ایک معجزہ ہو، اور تو ہمیں (عقل و روح کی) روزی دے اور تو سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے (۵/۱۱۴)۔

اس میں اہلِ دانش کو ذرا بھی شک نہیں کہ آیۂ مذکورۂ بالا سُنّتِ الٰہی کے مطابق ایک کُلیّہ ہے، جس کا تعلق تمام زمانوں سے ہے، جیسا کہ اس دعا میں ماضی، حال، اور مستقبل کے مومنین کا ذکر موجود ہے، کیونکہ حضرتِ عیسیٰؑ اپنے وقت میں خدا کا نور تھا (۶۱/۸-۶) اس لئے اُس نے ہر زمانے کے

اہلِ ایمان کے حق میں یہ دعا کی تھی، اور ظاہر ہے کہ کشف و کرامت کی خوشیوں کی یہ عید اوّلین، حاضرین، اور آخرین سب کے لئے ہے، اور لفظِ "عید" پر غور کریں کہ عید عَوْد سے ماخوذ ہے، جس کے معنی لَوٹنے کے ہیں، یہاں یہ قانون بھی یاد رہے کہ ظاہری عید اپنے وقت پر آتی ہے، مگر روحانی عید وقت سے بالاتر ہے۔

اگرچہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مائدۂ عیسیٰؑ ایک محدود وقتی معجزہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر انسانِ کامل کی مکمّل روحانیت کا عرصہ ہے، جس کی چند دلیلیں یہ ہیں :۔

(الف :) اس دعا میں جس آسمان کا ذکر ہے، وہ آسمان عقلِ کُلّ ہے اس لئے یہ انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کی روحانیت کا دسترخوان ہے (ب :) اس میں اطمینانِ قلبی مقصود ہے، جو مشاہداتِ روحانیت و عقلانیت کے سوا ممکن نہیں (ج :) اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جو کل کے لئے وعدہ کیا گیا ہے، اس کا یقین آج ہو جائے : صدقتنا ۵/۱۱۳ (د :) یہاں جو لفظِ شاہدین آیا ہے (۵/۱۱۳) وہ بتاتا ہے کہ روحانیت کا مشاہدہ کرنا مطلوب ہے، (ھ :) لَنَا (ہمارے لئے) کی تشریح ہے : اوّلین و آخرین، یعنی تمام انبیاءؑ و ائمہ علیہم السّلام اور اہلِ ایمان (و :) آیت معجزہ کا نام ہے، اور خدا کا معجزہ عقلی، روحانی اور دائمی ہوا کرتا ہے، وہ نقش بر آب نہیں کہ فوراً

ہی مِٹ جائے (ز :) یہاں رزق مطلوب ہے، اور وہ عقل و جان کی ہر گونہ غذا کا نام ہے۔

خداوند تعالیٰ کا ہر امر منتظر نہیں، بلکہ فرمایا گیا ہے، اس کا ہر کام کیا ہُوا ہے، اور اس کا ہر وعدہ عمل میں آچکا ہے (۳۳/۲۷ ، ۴۴/۸) یعنی اللہ کا کوئی امر نافرمودہ نہیں، نہ کوئی کام ناکردہ ہے، تو پھر دعا اور طلب کیوں ضروری ہوئی؟ آیا اس قانونِ ازل کے مطابق عقلی اور روحی نعمتوں کا دسترخوان نازل شدہ نہیں ہے؟ کیا خدا کا کوئی کام ناکردہ (UND O NE) ہوسکتا ہے؟

جواب: بیشک پروردگارِ عالم کا فرمان فرمایا ہُوا ہے، اس کا کام کیا ہُوا ہے، اور اس کا وعدہ پورا ہوچکا ہے، نیز باطنی نعمتوں کا دسترخوان ہمیشہ کے لئے نازل ہوچکا ہے، لیکن پھر بھی قول و فعل اور دعا کی سخت ضرورت ہے، خصوصاً ہادئ برحق کی دعا بے حد ضروری ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ نے تو ہر نعمت عطا کر رکھی ہے (۳۴/۱۴) لیکن ہمارے اعمال کی وجہ سے پردے حائل ہوگئے ہیں، پس کشفِ غطا یعنی پردہ کھولنے کے لئے علم و عمل کی بہت بڑی اہمیّت ہے۔

اس بحث کی روشنی میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پیر ناصر خسرو ان عظیم المرتبت حُکَماء و عُرَفاء میں سے ہیں، جن کے لئے روحانی اور عقلی نعمتوں کا دسترخوان ہمیشہ بچھا ہُوا رہتا ہے، چنانچہ حضرتِ پیر

نے اُس سماوی دسترخوان سے ایک دوسرے دسترخوان کو سجایا، اور وہ ان کی گرانقدر کتابوں کا پُرحکمت ذخیرہ ہے۔

حکیم پیر ناصر خسرو کے قلبِ مبارک پر امامِ زمان ع کا نور طلوع ہوا تھا، یہی وجہ ہے کہ اُن پر قرآنِ حکیم اور دینِ اسلام کے بے شمار تاویلی اسرار منکشف ہوگئے، اسی نورِ ہدایت کی صورت میں امامِ برحق ع نے ان کو رسمِ چراغِ روشن بطرزِ جدید جاری کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ کے شاگردوں نے رفتہ رفتہ چراغنامہ تیار کیا، اور موصوف پیر کے حلقۂ دعوت میں اس کا خوب رواج ہُوا۔

رسمِ چراغِ روشن بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے، اگر تفصیل سے اس کا ذکر کیا جائے تو اس سے ایک اور کتابچہ تیار ہوسکتا ہے، لیکن ہم اختصار سے کام لینا چاہتے ہیں، اور اس میں بڑے بڑے مذہبی فوائد پنہاں ہونے کی روشن دلیل یہ ہے کہ مولانا حاضر امام صلوات اللہ علیہ اسے پُر از حکمت قرار دیتے ہیں، اسی لئے مولا نے اُس درخواست کو نامنظور فرمایا، جو اس مقدس رسم کو ترک اور ختم کرنے کے لئے لکھی گئی تھی۔

میرے خیال میں چراغِ روشن فقہی مسئلہ ہرگز نہیں، یہ محض ایک خاص رسم اور ایک مخصوص عملی تاویل ہے، لہٰذا اس میں حلال و حرام کی

بحث کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ اس میں متوفّی کی عمر کی کوئی حد مقرّر ہے، جبکہ دعوتِ بقاء کسی گھر کے افراد کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے، جن میں چھوٹے بڑے سب شامل ہو سکتے ہیں، کیونکہ یہ عظیم کارِ ثواب بھی ہے۔

فقط بندۂ عاجز

نصیر الدّین نصیر ہونزائی

۲۲/ ۴/ ۹۳

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

شمالی علاقہ جات میں اسمٰعیلی دعوت کا پسِ منظر

حکیم ناصر خسروؔ کی ابتدائی زندگی :

مولوی عبدالرّزاق ؛ کانپوری جو سفر نامۂ ناصر خسرو کے مترجم ہیں، حکیم موصوف کے "عہدِ طفولیت و تعلیم و تربیّت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، مدارجِ اربعہ کے بعد جب نفسِ ناطقہ میں ادراک کا مادہ پیدا ہو گیا تو چھٹے سال ناصر کی مکتب نشینی ہوئی اور نو سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہو گیا، اور پانچ سال کی محنت میں علمِ لغت صرف و نحو، عروض و قافیہ اور حساب و سیاق حاصل کیا۔

تحصیلِ حیادیات کے بعد تین سال میں نجوم، ہیئت، رمل، اُقلیدس اور مجسطی کی تکمیل ہوئی، جب عمر کی سترہ (۱۷) منزلیں طے ہو گئیں تو علمِ ادب، فقہ، تفسیر اور حدیث کا درس شروع ہوا، اور اسی سلسلے میں امام محمدؒ شیبانی کی کتاب جامع کبیر اور سیرِ کبیر بھی ختم ہوئی، اور قرآن کی تکمیل کے لئے تقریباً تین سو (۳۰۰) تفسیریں پڑھیں، ان میں کچھ تو داخلِ نصاب

تھیں، اور بقیہ کا بطورِ خود مطالعہ کیا، تفسیر اور علوم القرآن کے بعد فلسفۂ یونان کو پڑھا، چنانچہ پندرہ سال میں اس نصاب کی تکمیل ہوئی اور عالمِ شباب تک بلخ میں رہا، عربی کے علاوہ وہ ترکی، یونانی، عبرانی اور ہندوستانی (سندھی) زبان بھی جانتا تھا اور فارسی مادری زبان تھی، اور عبرانی کی تصدیق سفرنامے سے ہوتی ہے ....

جب ناصر کی عمر ۳۲ سال ہوگئی اس وقت تورات، زبور، انجیل کو یہودی علماء سے پڑھا، اس کے بعد بطورِ خود ہر سہ کتب کو کامل چھ سال تک محققانہ اور مناظرانہ حیثیت سے دیکھا، اس کے بعد منطقِ الٰہی و طبیعی (مصنفۂ حکیم جاماسب) طب اور ریاضت کو ختم کیا، اور سب سے آخر میں تصوّف، روحانیات، علمِ تسخیر اور طلسمات کو حاصل کیا جس کے ماہر بابُل میں موجود تھے، اور تقریبًا چوالیس (۴۴) سال کی عمر میں ناصر خسرو ایک عدیم النظیر حکیم، فلسفی، عالِم، مناظر اور شاعر بن گیا، اور یہ جملۂ علوم بلخ و بخارا، عراق اور اضلاعِ خراسان میں حاصل کئے جس کی تردید نہیں ہو سکتی ہے، جہاں ہر علم و فن کے باکمال علماء و حکماء موجود تھے، اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ناصر سے اپنی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں۔

حکیم ناصر خسرو کا ایک پُر حکمت خواب

آپ لکھتے ہیں: "میں شراب نوشی کرتا تھا، آنحضرت صلعم کا ارشادِ گرامی ہے، قُولُوا الحقَّ وَلَو عَلیٰ انفُسِکُمْ۔ سچی بات کہو اگرچہ وہ تمہارے حق میں مُضر کیوں نہ ہو۔

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ: ناصر! یہ شراب جو انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے کب تک پیتے رہو گے؟ اگر خودی میں رہو تو بہتر ہے۔

میں نے جواباً عرض کیا کہ "شراب کے سوا حکیموں نے کوئی ایسی شے ایجاد ہی نہیں کی ہے جو غم غلط کرنے والی ہو"۔ بزرگ نے جواب دیا کہ "بے خودی اور بے ہوشی میں بھی کہیں راحت ملتی ہے؟ تم ایسے شخص کو حکیم مت کہو جو ہوشیاروں کو بے ہوش بنا دے، بلکہ حکیم سے ایسی شے مانگو جس سے عقل وادراک میں اضافہ ہو"۔ تب میں نے سوال کیا کہ "وہ شے کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے؟" فرمایا "جو ڈھونڈتا ہے وہ پا ہی لیتا ہے"۔ اور قبلہ کی طرف اشارہ کر کے خاموش رہا۔

بعض سکالرز صا کا خیال ہے کہ ناصر خسرو جس خواب کا ذکر کیا ہے وہ کسی اسماعیلی داعی سے متاثر ہونے کی مثال ہے، میرے نزدیک یہ خیال صحیح ہے، کیونکہ بسا اوقات حکیم ناصر خسرو رمز و کنایہ سے کام لیتا ہے، چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ کسی عظیم المرتبت داعی نے شراب نوشی کی مخالفت کی اور امامِ وقت کی نشاندہی کی جو عقلی راحت کا سرچشمہ تھا، ورنہ خواب جیسے بیان ہوا ہے وہ حالتِ شراب نوشی میں اتنا منظّم اور نورانیت سے بھرپور نہیں ہو سکتا ہے۔

پیر ناصر خُسرو یُمگان میں۔

کتاب "ناصر خُسرو و اسماعیلیان"، صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے کہ درۂ یمگان حجّتِ خراسان (یعنی ناصرِ خسرو) کی حقیقی کُرسی بن گیا تھا، اور تحریر ہے کہ لوگوں کا شاہِ ناصر کہنا غلط نہیں ہے، یعنی جس طرح قریبی حلقۂ دعوت نے ان کو علم و حکمت کا پادشاہ مانا، وہ درست ہے، کتاب مذکورہ کے مؤلّف نے لکھا ہے کہ ناصر خسرو نے یمگان میں اپنے

صا عبدالوہاب طرزی، مؤلف کتاب "ناصر خسرو بلخی"، ص ۲۲، پروفیسر ہینری کوربن، مقدمہ جامع الحکمتین فرانسوی ص ۳۰

سلسلۂ دعوت کو جاری و ساری رکھا تھا، وہ اطراف میں دُور و دراز تک لوگوں کو اسماعیلی مذہب سے متعلق دعوت نامے بھیجا کرتے تھے، جیسا کہ ان کے دیوان میں ہے۔ (ص ۳۸۵)

ہر سال یکی کتابِ دعوت　　با طراف جہان ہمی فرستم
تا دانند خصم من کہ چون تو　　در دین نہ ضعیف تو خوار و ستم

اپنے کئی قصائد میں فرماتے ہیں کہ: اگرچہ میں وطن مالوف سے مہجور و دور ایک غار میں مقیم ہوں، لیکن اپنے دوستوں کی نظر میں بہت معزّز و محترم ہوں، چنانچہ روشنائی نامہ میں فرمایا ہے۔

زحجّت این سخنہا یاد میداد　　کہ در یمگان نشستہ پادشہ وار

مذکورۂ بالا کتاب میں یہ بھی ہے کہ ناصر خسرو یُمگان سے مصر اپنے مرکز دعوت کے ساتھ خط و کتابت کرتے تھے، آپ نے اپنی اکثر فلسفی کتابیں یمگان میں لکھی ہیں۔ مثال کے طور پر روشنائی نامہ، جامع الحکمتین، زاد المسافرین وغیرہ۔

دعوتِ ناصری کا مرکز و منبع۔

اہلِ دانش کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ چترال، شمالی علاقہ جات، سریقول اور یارقند میں جب بھی اسماعیلی دعوت

کی روشنی پھیل گئی ہے، وہ بدخشان کی طرف سے آئی ہے، پیروں، داعیوں معلّموں اور نمائندوں نے علم و حکمت اور امام شناسی کے جیسے چراغ روشن کئے، ان کا سرچشمۂ نور ایک ہی تھا جسے پیر نامور حکیم ناصر خسرو نے بحکمِ امامِ عالیمقام بصد ہزار مشقّت بدخشان میں تیار کیا تھا، اس بے پناہ روشنی کے ذخائر بڑی ضخیم کتابوں کی صورت میں تھے، اور ایک ایسے علمی لشکر کی شکل میں بھی، جو ناصری علم و حکمت کے اسلحہ سے لیس ہو کر ظلمتِ نادانی کے خلاف جنگ کر سکتا ہے۔

اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ اگر حضرت حسن صباح نے ایک ظاہری قلعہ بنایا تو پیر ناصر نے بدخشان میں علم و حکمت کا ایک اور قلعہ بنایا، جیسے ایک ہلاکو خان کیا ہزار ایسے ظالم بھی نہیں توڑ سکتے، اس کا ثبوت حکیم ناصر کی وہ گرانمایہ کتب ہیں جو نہ صرف دُنیائے اسماعیلیت کے لئے باعثِ فخر و ناز ہیں، بلکہ اقوامِ عالم کے ہر علمی ادارے میں بھی موجود و محفوظ ہیں۔

حکیم ناصر خسرو نے بڑی جرأتمندی اور بڑی حکمت سے دعوت کا فریضہ انجام دیا اور جیسی بھی حالت پیش آئی، اُس سے فائدہ اُٹھایا، یعنی جب آزادی اور موقع میسّر آتا تو زبانی دعوت اور جہاد کرتے، اور جب مخالفین کی وجہ سے عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا، تو قلمی طور پر اس کام میں مصروف ہو جاتے تھے، تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دعوت و نصیحت کا سلسلہ جاری رہے۔

ہُنزہ میں اثنا عشری مذہب کا آغاز :-

زمانۂ قدیم میں باشندگانِ ہُنزہ دینِ اسلام سے بیگانہ تھے، مُردوں کو جلانا یا بعض وابستہ چیزوں کے ساتھ دفنانا ان کی رسومات میں شامل تھا، بعض قرائن سے ایسا لگتا ہے کہ پورے علاقے میں بُدھ مت اور زرتُشتی مذہب کی روایات پھیلی ہوئی تھیں، لوگ بویو (BOYO) کی پرستش کرتے تھے، بوئن (BOYN) جس کی جمع بویو ہے، کُتّے کے پلّے (بچّہ) کی طرح ایک چھوٹا سا جانور تھا، جو کسی درختِ سروِ کوہی (گل) کے نیچے یا سنگلاخ سے نکلتے تھے، ان کے لئے کوئی نذرانہ از قسم مکھن یا دُودھ یا خونِ گوسفند رکھا جاتا تھا، اور اگر وہاں سے بویو پیدا ہو گئے اور اس نیاز کو چاٹ لیا تو وہ لوگ اُسے شرفِ قبولیت سمجھتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب مَیوُرِی تھَم کا بیٹا عیاشو دُوم شُغَاپی ہُنزہ کا حکمران ہُوا تو اس نے بلتستان سے ابدال خان کی بیٹی شہ خاتون سے شادی کی، اور اسی رشتہ و رابطہ کی بدولت بلتستان سے ہُنزہ میں بصورتِ اثنا عشری دعوتِ اسلام کا آغاز ہُوا، اور وہاں بتدریج اثنا عشریت پھیل گئی، تاہم بعض لوگ عرصۂ دراز تک بویو کو بھی مانتے تھے ہر چند کہ مبلغین و ناصحین انہیں اِس بُت پرستی سے باز لانے کی کوشش کرتے تھے

ہُنزہ میں اسماعیلی دعوت کی روشنی کا آغاز:-

ہُنزہ میں عیاشو خاندان کا پہلا حاکم گرکس تھا۔ اس کے بعد پانچ نمبر پر عیاشو سُغاپی ابن میُورِی تھم کا نام آتا ہے، جس نے بلتستان سے ابدال خان کی بیٹی شہ خاتون سے شادی کرلی، اور حاکم وقت کے اسی رشتے کی وجہ سے بلتستان سے ہُنزہ میں اثنا عشری مذہب کی تبلیغ کی گئی، اور رفتہ رفتہ لوگ اِس مذہب میں داخل ہو گئے، تاہم بعض لوگ اپنی پُرانی عادتوں سے باز نہیں آرہے تھے۔

اس کے بعد ۱۹ نمبر پر سِلُم خان کا نام آتا ہے، جس نے آخری عمر میں اسماعیلی مذہب کو صرف ذاتی طور پر قبول کرلیا، اور اُس نے اِس پاک مذہب میں تنہائی محسوس کرتے ہوئے سید حُسین ابن شاہ اردبیل سے پوچھا کہ "میری تجہیز و تکفین وغیرہ کون کرے گا؟"، پیر نے فرمایا کہ اِنشاءاللہ تعالیٰ اس وقت اسماعیلی داعیوں میں سے کوئی ضرور آئے گا۔

جب سِلُم خان قریب المرگ ہوگیا تو اسے اپنی تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کی بڑی فکر ہوئی، اور وہ اس بات کا منتظر تھا کہ حسب وعدہ پیر آخری وقت میں کوئی آئے گا، لہٰذا وہ اپنے معتمدین سے کہتا

رہتا تھا کہ دیکھو، کیا کوئی آرہا ہے، آخر کار خبر ملی کہ ہاں دُور میدان سے کوئی سوار اس طرف آرہا ہے، وہ پیر شاہ حسین ابنِ اُردَبیل تھے، جنہوں نے حَسَبِ وعدہ سلِمُ خان کو تسلّی دی اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو اُس کی تجہیز و تکفین کی اور نمازِ جنازہ پڑھی۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نوٹ: حضور ہوکھی خلیفہ مہربان شاہ (۱۹۱۰ء - ۱۹۹۱ء) ابنِ گل بہار شاہ) کھسگائی سید کے حوالے سے بتاتے تھے کہ مولانا قاسم شاہ علیہ السلام کی امامت کے زمانے میں تاج مغل نے گلگت کے بعد ہونزہ کو بھی فتح کر کے اس کے باشندوں کو اسماعیلی بنایا تھا، تاہم ایسا لگتا ہے کہ اس نے دعوتِ حق کا کوئی خاص انتظام نہیں کیا، اِس لئے لوگ یہ پاک مذہب بھول گئے، یہ واقعہ تقریباً چھ سَو سال کا ہے۔

نصیر ہونزائی

۱۱/۴/۹۳

چراغِ روشن۔ عملی تاویل

عنوانِ بالا کا واضح مطلب ہے: "رسمِ چراغِ روشن ایک عملی تاٴویل"۔ تاٴویل لفظاً کسی چیز کو اوّل کی طرف لوٹانے کو کہتے ہیں، اور اصطلاحاً باطنی حکمت کا نام ہے، جو منازلِ روحانی سے لے کر مراتبِ عقلانی کے آخر تک پائی جاتی ہے، تاآنکہ عُرفاء کو یقین آتا ہے کہ تاویلی حکمت کا اصل سرچشمہ آفتابِ نورِ ازل ہی ہے، یعنی گوہرِ عقل، اسی مقام پر جیسی عظیم الشان اور بے مثال حکمت ہے، اسی کی قرآنِ مجید میں یوُں تعریف کی گئی ہے:

یؤتی الحکمۃَ من یّشاء ، ومن یؤتَ الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً :

جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں خیرِ کثیر مل گئی (۲/ ۲۶۹) حکمت تمام نعمتوں کی بادشاہ ہونے کی وجہ سے فوقانی ہے، اور دوسری ساری نعمتیں رعایا کی طرح تحتانی ہیں، اگر آپ یہ معلوم کرلینا چاہیں کہ براہِ راست باطنی حکمت یا تاویل کن مقدس ہستیوں کو عطا ہوتی ہے؟ تو آپ قرآنِ پاک میں دیکھ سکتے ہیں

کہ ایسے حضرات انبیا و أئمہ علیہم السّلام ہیں۔

نورِ نبوّت حکمت کا زندہ گھر ہے، اور نورِ امامت اس کا زندہ دروازہ، اس کا واضح اشارہ یہ ہُوا کہ قرآن و حدیث کی حکمت ہمیشہ امامِ عالیمقامؑ کے توسّط سے ملتی رہی ہے، اور اس پر عمل بھی ہوتا رہا ہے، کیونکہ حکمت کا مقصد ہی عمل ہے، جب کہ حکمت کے معنی ہیں دانشمندی سے کام کرنا، چنانچہ قرآن کا اشارہ ہے کہ لقمان کو حکمت اس لئے دی گئی تھی کہ وہ اللہ کا شکر حکمت کے ساتھ کرے، یعنی اس کا ہر نیک قول و فعل حکمت پر مبنی ہو، تاکہ حقیقی معنوں میں اس بے مثال نعمت کی شکر گزاری اور قدر دانی ہو۔

عربی کا کوئی لفظ جہاں کسی لغات میں ہے تو عموماً اس کی کوئی تاویل نہیں ہوتی، اگر یہی لفظ قرآنِ حکیم میں آیا ہے، تو اس کی تاویل ہوسکتی ہے، جیسے "حبل،، عربی میں رسّی کا نام ہے، اور قرآن میں آنے سے قبل اس میں کوئی حکمت نہ تھی، لیکن جب یہی لفظ قرآنِ پاک میں داخل ہو کر اسمِ "اللہ،، سے مضاف ہوگیا، اور حبل اللہ (خدا کی رسّی) کہلانے لگا، اور اس کو ایک زبردست تمثیلی حیثیت مل گئی، تو پھر اس میں بڑی بڑی تاویلی حکمتوں کی گنجائش پیدا ہوگئی، ورنہ رسّی وہی بے جان اور بے عقل چیز ہے، جسے لوگ اپنی مرضی سے استعمال کرتے رہتے ہیں،

یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی اس سے خودکشی کا پھندا بنالے، تو اس حال میں بھی وہ کچھ منع نہیں کر سکتی، اس کے برعکس خدا کی رسّی عقلِ کامل اور روحِ قدسی کے جملہ اوصاف سے موصوف اور ہر عیب سے پاک و برتر ہے، جو طولِ زمانہ پر محیط، ہمہ رس اور ہمہ گیر ہے، اس کا ایک سِرا خدا کے ہاتھ میں ہے، اور دوسرا سِرا لوگوں کے سامنے، تاکہ جو شخص چاہے وہ اس کو مضبوطی سے تھامے رہے، یہ تاویلی حکمت کا ایک ناقابلِ تردید نمونہ ہے، کیونکہ قرآنِ حکیم میں جہاں جہاں مثالیں آئی ہیں، وہاں ان کی تاویلات ہُوا کرتی ہیں۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور سب سے پہلے یہ سوال خود بخود ہمارے سامنے آتا ہے کہ رسمِ چراغِ روشن کے عملی تأویل ہونے کی دلیل کیا ہے؟ یہ تاویل کس آیۂ کریمہ سے متعلق ہے؟ آیا اس عمل کے بارے میں قرآن کا کوئی اشارہ ہے؟ جواباً عرض ہے کہ قرآن اور اسلام کی کوئی چیز تأویل کے بغیر نہیں، لہٰذا ہمارا مذہب تاویلی ہے، حکیم ناصر خسرو تأویل کے قائل تھے، اس لئے آپ نے اپنے حلقۂ دعوت میں چراغِ روشن کو حضرتِ امام علیہ السّلام کے منشاء کے مطابق جاری کیا، حال آنکہ یہ رسم محدود اور مخصوص طریق پر شروع سے چل کر ختم ہو رہی تھی، جیسے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے

آنحضرت صلعم نے اپنے ایک صاحبزادے کی وفات پر بہت ہی مختصر چراغ روشن کیا تھا، چنانچہ چراغ نامہ میں یہ قول ہے :

چراغِ اوّل بدستِ مصطفٰے بود ‌‌‌‌‌‌‌‌ ولیلش با علیؑ مرتضٰی بود

مذکورہ روایت میرے نزدیک صحیح ہے، اور اس کی ایک شہادت یہ ہے : جب امام محمّد باقر علیہ السّلام کا انتقال ہُوا، تو امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس گھر میں چراغ جلانے کا حکم دیا، جس میں حضرت (یعنی امام محمّد باقرؑ) رہا کرتے تھے۔ (الشّافی، جلد سُوم، ص ۲۱۴)

"چراغِ روشن"، کو عملی تأویل اس معنٰی میں کہا کہ یہ ایک پُر حکمت عمل ہے، جس کے توسّط سے آیۂ مصباح (۲۴/۳۵) کی بے مثال کلیدی حکمتوں پر غور و فکر کرنا مقصود ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: خدا تو (عالمِ شخصی کے) آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، نور پر نور ہے، خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے، وہ لوگوں کو مثالیں بیان کرتا ہے اور

خدا ہر چیز کو خوب جانتا ہے (۳۵/۲۴) ۔

حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے مذکورہ آیۂ مبارکہ کی طرف جس حکیمانہ انداز میں پُرزور توجّہ دلائی ہے، اور جس شان سے اس کی تاویلی روح کی نشاندہی فرمائی ہے، وہ یقیناً ہمارے لئے روشن ہدایات میں سے ہے۔ (ملاحظہ ہو: کتابچہ: اسلام میرے مورثوں کا مذہب، ص ۶-۷) ۔

آیۂ مصباح کے بعد جو ارشاد ہے، اس کا ترجمہ اور قوسین میں مفہوم اس طرح ہے: (مصباح = چراغِ روشن کا عملی نمونہ) ان گھروں میں ہے، جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کے ذکر کا خدا نے اذن دیا ہے، ان میں ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں (۳۶/۲۴) اس کی کم سے کم حکمتیں دو ہیں: پہلی حکمت: انبیاء و ائمہّ علیہم السّلام اور مومنین کے ظاہری گھروں میں آیۂ مصباح کا تاویلی چراغ روشن کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ گھر ذکرِ الٰہی کی وجہ سے بلند ہیں، کہ ان میں صبح و شام خدا کی تسبیح کی جاتی ہے، پس ایسے گھروں میں چراغِ روشن کا مقدس عمل کیا جا سکتا ہے۔

دوسری حکمت: پیغمبرؐ اور امامؑ کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں اہلِ ایمان اپنے باطنی گھروں (قلوب) میں نورِ خداوندی کے چراغ

کو روشن کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ خدائے علیم و حکیم نے اپنے پاک نور کی تشبیہ و تمثیل آفتابِ عالمتاب سے دینے کی بجائے گھر کے چراغ سے دی، کیونکہ جو جو اشارے چراغ میں ہیں، وہ سورج میں کہاں، جیسے علم، عمل، ریاضت، یعنی باطن میں ایک مقدّس گھر بنا کر اس کی دیوار کے طاق میں ایک روشن چراغ سجانے کے لئے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے، پھر دیکھنے اور سوچنے کی خاطر ظرفِ چراغ، تیل، بتی، آگ، شعلہ، دُھواں، پھیلی ہوئی روشنی اور ایک چراغ سے دوسرے چراغ کو روشن کرنا، اس میں انسانِ کامل کی معرفت کے لئے بہت سی حکمتیں ہیں، مگر سورج میں یہ حکمتیں نہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی سب سے روشن اور فیصلہ کُن آیات کی شناخت حاصل کریں، تو آیاتِ نور کو لیں اور خوب غور سے ان کا مطالعہ کریں، تاکہ اس عمل سے بہت سی حقیقتیں منکشف ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ ان سب خزانوں کی کُنجیاں تو آیۂ مصباح کے خزانے میں پوشیدہ ہیں، آپ وہاں سے ہر نورانی کنز کی کُنجی لے کر علم و حکمت کی لازوال دولت سے ابدی طور پر مالامال ہو سکتے ہیں، یہاں یہ بھی یاد رہے کہ آیاتِ نور کے تین درجے ہیں، جو اللہ، رسولؐ اور آئمہؑ کے بارے میں ہیں،

کائنات کی روشن آیات بھی تین درجوں میں ہیں ، سورج ، چاند اور ستارے ، اور اسی قانون کے مطابق عالمِ شخصی میں بھی تین مراتب کی نشانیاں (آیات) ہیں ، یعنی عقل ، روح اور احساس وادراک کی بہت سی قوّتیں ، جیساکہ نقشۂ درجِ ذیل سے یہ مطلب واضح ہو جاتا ہے ۔

نقشۂ آیاتِ نور

قرآن	کائنات	عالمِ شخصی
آیۂ مِصباح (۳۵/۲۴)	سورج	عقل
آیۂ سِراجِ مُنیر (۴۶/۳۳)	چاند	روح
آیۂ کِفلَین (۵۷/۲۸)	ستارے	انسانی قوّتیں

نقشۂ مرقومۂ صدر سے ظاہر ہوا کہ عالمِ قرآن کے خورشیدِ انور کا نام مِصباح (روشن چراغ) ہے ، کیونکہ جو باطنی اور نورانی چراغ اپنی نوعیت کی کائنات کو منوّر کر رہا ہو ، وہ آفتاب کیوں نہ کہلائے ، یہ بات سب جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا چراغ ہے ہی نہیں ، جو سورج کی طرح کام کرے ، اور اس کا نام ایک جانب سے چراغ ہو ، اور دوسری

جاتب سے سورج، لیکن نورِ باطن "اصغر و اکبر" سب کچھ ہے، اس لئے وہ چھوٹا بڑا ہر کام کرسکتا ہے، اور کثیر کاموں کی وجہ سے ناموں کی کثرت ہوسکتی ہے۔

سورۂ نبا (۷۸/۱۳) میں ارشاد ہے: وجعلنا سِراجًا وّھّاجًاء اور ہم نے (سورج کو) روشن چراغ بنایا (۱۳۷۸) آپ خوب سوچ لیں، کہ اس میں سورج کی بہت بڑی تعریف کی گئی ہے، لیکن کس طرح؟ روشن چراغ کی تشبیہ و تمثیل دے کر، اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن اور روحانیت میں جہاں کہیں بھی سورج کا ذکر آئے، یا خود سورج کا مشاہدہ ہو، تو جان لینا کہ یہ وہی روشن چراغ ہے، جس کی تعریف و توصیف آیۂ مصباح میں آئی ہے، اس سے پتا چلا کہ "چراغِ روشن" میں مرکزِ انوارِ باطن کی تأویل پوشیدہ ہے، بظاہر ایک رسم سہی، لیکن اس کی باطنی حکمتیں بڑی عجیب و غریب ہیں، انشاء اللہ، امامِ زمان علیہ السّلام کی تائید سے ہم یہاں بعض حکمتوں کا تذکرہ کریں گے، تاکہ عزیزوں اور دوستوں کی معلومات میں گرانقدر اضافہ ہو۔

حکمت نمبر ۱: چراغِ روشن کا تعلّق بالعموم تمام آیاتِ نور سے اور بالخصوص آیۂ مِصباح سے ہے، بنا برین اس میں نور کی مختلف مثالیں اور تأویلیں پنہان ہیں، چنانچہ اس کا ایک بڑا اہم نمونہ تجدّد

ہے کہ شعلۂ چراغ میں لمحہ بہ لمحہ تبدیل و تجدید کا سلسلہ جاری ہے، اس سے یہ راز پردۂ خفی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ نورٌ علیٰ نور (ایک روشنی پر دوسری روشنی) کے عمل میں کوئی تاخیر اور کوئی وقفہ نہیں، بلکہ وہ سلسلہ یعنی زنجیر اور رسّی کی طرح ہے، اور شعلے کے اس تجدّد میں بے شمار حکمتیں ہیں۔

حکمت نمبر۲ : آیۂ مصباح میں نور و نار کے دونوں لفظ آئے ہیں، چراغِ روشن میں بھی آگ اور روشنی لازم و ملزوم ہیں، پس اس کی حکمت یہ ہے کہ نار عشق ہے اور نور علم و معرفت، چنانچہ جب تک کوئی مومن آتشِ عشقِ مولا میں جلتا نہ رہے، اس کے دل میں علم و معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی، آگ کی یہ مثالیں بھی خالی از حکمت نہیں کہ اگر آتش زیرِ خاکستر ہے تو یہ پوشیدہ عشق کی مثال ہے، چنگاری کا اشارہ ہے کم عشق، انگاروں کے معنی ہیں خاموش عشق، اور شعلہ متحرّک عشق کو ظاہر کرتا ہے۔

حکمت نمبر۳ : دعوتِ بقا ہو یا دعوتِ فنا، اس موقع پر حسبِ دستور جب کسی گھر میں مقدّس چراغ فروزان ہونے لگتا ہے، اور جب تک وہ روشن رہتا ہے، اُس دَوران چراغِ روشن کی روشنی کی موجودگی میں کسی اور روشنی کو استعمال کرنے یا رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی

ہے، تاکہ اس گھر میں وہی روشنی منفرد اور یگانہ قرار پائے، اس کی تاویل یہ ہے کہ دراصل نور ایک ہی ہے اور وہی نورِ واحد عالمِ شخصی کے آسمانوں اور زمین کو منور کر دینے کے لئے کافی ہے۔

حکمت نمبر ۴: رسمِ چراغِ روشن کے آغاز میں یہ بات بھی ہے کہ خلیفہ صاحب کے سامنے قاضی بحالتِ اِستادگی اجتماعی درودِ شریف کے ساتھ ظرفِ چراغ کو تین دفعہ زمین سے بلند کر کے رکھ دیتا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کا نور ایک ہی ہے، ہر چند کہ اس کی نسبتیں تین ہیں: نسبتِ خدا، نسبتِ رسولؐ، اور نسبتِ امامِ زمانؑ، اور جب چراغ کو فروزاں کیا جاتا ہے تو اس وقت بھی ایک بار کچھ دیر کے لئے چراغِ منوّر کو زمین سے ہاتھ میں اٹھا لیا جاتا ہے، تاکہ اس حکمتی اِشارے سے یہ ظاہر ہو کہ اللہ کا نورِ واحد آسمان میں بھی ہے اور زمین پر بھی۔

حکمت نمبر ۵: چراغ روشن کرنے کا دوسرا نام دعوت ہے، جس کا اصل مقصد دو مرحلوں میں ہے، اوّل اسلام و ایمان کی طرف بُلانا جس طرح ماضیٔ بعید میں ہُوا، دوم روحانیت کے درجاتِ عالیہ اور نورِ معرفت کی طرف بُلانا، جیسے بعد کے دور میں یہ کام ہونے لگا، مگر یہ بہت بڑا منصوبہ علم و حکمت اور ذکر و عبادت کے بغیر ممکن ہی نہ تھا،

پس اس پرُحکمت رسم میں دو قسم کی مؤثر عبادات ضروری ہوئیں، ایک علمی عبادت اور دوسری عملی عبادت، تاکہ ان کی بجا آوری سے زندوں کو بھی اور مُردوں کو بھی ثواب اور اجرِ عظیم حاصل ہو۔

حکمت نمبر ۶: اس دعوت کی غرض سے جو گوسپند ذبح کی جاتی ہے، وہ "دَعُوَتی"، کہلاتی ہے، جو قربانی کی طرح حُرمت والی قرار پاتی ہے، ایسے جانور کے انتخاب کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ لاغر (دُبلا) نہ ہو، بلکہ اس میں چربی ہو، تاکہ اس کو پگھلا کر تیل سے چراغ کو روشن کیا جا سکے، اِس کا حکیمانہ اشارہ یہ ہے: جو مومنین عقیدہ، عبادت اور حقیقی علم میں کمزور ہیں، وہ مرتبۂ روحانیت کی گوسفندِ دعوت (دَعُوَتی = قربانی) نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان میں ہنوز ترقی و کمالیّت کا وہ جوہر پیدا نہیں ہُوا، جس سے نورانیت کا چراغ روشن ہو جاتا ہے، جس کی مثال چربی سے دی گئی ہے۔

حکمت نمبر ۷: حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کا یہ ارشادِ مبارک ایک عظیم نورانی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے عرفانی جواہر گرانمایہ اور انمول ہیں، وہ ارشاد یہ ہے: ماقیل فی اللہ فھو فینا، وماقیل فینا فھو فی البلغاء من شیعتنا: جو کچھ خدا کے بارے میں کہا گیا ہے وہ (تاویلاً) ہمارے بارے میں ہے، اور جو کچھ ہمارے

بارے میں کہا گیا ہے وہ (تاویلاً) ہمارے دوستوں میں سے ان کے لئے ہے جو پہنچے ہوئے ہیں۔ اس کلیدی حکمت سے بہت سے خزانے کھل سکتے ہیں، اور چراغِ روشن کی مثال میں بھی ایک خزانہ پوشیدہ ہے، یہاں یہ نکتۂ دلپذیر یاد رہے کہ جس جگہ کوئی خزینۂ دفینہ ہوتا ہے، وہ جگہ اکثر دیدۂ ظاہربین کے سامنے حقیر نظر آتی ہے۔

حکمت نمبر ۸: حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام سے آیۂ مصباح یعنی اللہ نور السّمٰوٰت والارض.... کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ھو مثل ضربہ اللّٰہ لنا فالنّبیّ وَ الأئمّۃ صلوات اللّٰہ علیھم من دلالات اللّٰہ وآیاتہ التی یھتدی بھا الی التّوحید..... وہ ایک مثل ہے جسے خدا نے ہمارے حق میں بیان فرمائی ہے، پس نبی اور أئمّہ صلوات اللّٰہ علیہم خدا کی طرف سے وہ رہنما اور معجزات ہیں جن کے توسّط سے وہ توحید کی طرف لے جاتا ہے.... (المیزان، جلد ۱۵، ص ۱۴۱)۔

حکمت نمبر ۹: اس مضمون میں جو نقشہ ہے، اس کو غور سے دیکھ لیں، وہاں آیۂ مصباح، سورج، اور عقل ایک دوسرے کے سامنے ہیں، جس کی وہاں توجیہ کی گئی ہے، یہاں ایک اور وجہ بیان کی جاتی ہے کہ لفظِ "مِصباح"، گرامر (GRAMMAR) میں "صبح"،

سے اسم آلہ ہے، یعنی مصباح وہ چیز ہے جس سے صبح بنائی جاتی ہے، اور وہ سورج ہے، مگر یہاں عالمِ شخصی کا سورج مراد ہے، جو انبیاؤ ائمہ علیہم السّلام کے بعد صفِ اوّل کے مومنین میں بھی طلوع ہو جاتا ہے، تاہم یہ بات خوب یاد رکھو کہ روحانیت کے آغاز میں جس روشنی کا مشاہدہ ہوتا ہے، وہ نہ تو سورج کی ہے اور نہ ہی چاند کی، صرف اور صرف ستاروں ہی کی روشنی ہے، پھر بھی اس کی رعنائی اور دلکشی ایسی زبردست مسحور کُن ہے کہ بہت سے لوگ ان روشنیوں کو تجلّیاتِ الٰہی سمجھ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (۶۷/۵، ۸/۷۲، ۶-۳۷/۷)۔

حکمت نمبر ۱۰: ان نجوم، کواکب اور مصابیح (چراغوں) میں بہت بڑا امتحان ہوا کرتا ہے، کیونکہ یہاں بڑی گمراہی بھی ہے اور کامیاب ہدایت بھی، اس کے بعد چاند کی روشنی آتی ہے، اور آخر میں مرتبۂ ازل پر آفتابِ نورِ عقل طلوع ہو جاتا ہے (۵-۷۹/۶) تب عالمِ شخصی میں صبحِ ازل اور شامِ ابد ہو جاتی ہے، اور دونوں کے درمیان صرف چند ہی سیکنڈ کا وقت لگتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر دستِ قدرت، ہر وسیع اور پھیلی ہوئی چیز کو لپیٹ کر محدود کر لیتا ہے، جیسا کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے: وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ: اور ہر چیز اس کے پاس ایک مقدار میں ہے (۱۳/۸) یہ ہے مصباح (چراغ)

روشن) جو ہمیشہ مرتبۂ ازل پر خورشیدِ عقل کی صورت میں طلوع و غروب ہوتا رہتا ہے۔

حکمت نمبر ۱۱ : اب اس ضروری سوال کا جواب بھی دینا ہوگا کہ مومن کی موت سے چراغِ روشن کا کیا تعلّق ہے؟ آیا نجاتِ روحانی صرف اسی میں ہے کہ چراغ جلایا جائے؟ یا اس میں کوئی اور راز ہے؟ اگرچہ قبلاً اس قسم کے مسائل کے جوابات خود بخود آچکے ہیں، تاہم مزید گذارش ہے کہ جب رسمِ چراغِ روشن آیۂ مصباح کی مثال اور تاویل ہے تو اس سے حکمت اور معرفت کی بہت سی باتیں بتانا مقصود ہے، ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ مومن اگرچہ جسماً مرجاتا ہے، لیکن روحاً نہیں مرتا، وہ جسمِ کثیف کو چھوڑ کر جسمِ لطیف کا بہشتی لباس پہن لیتا ہے، پہلے تاریک تھا، اب وہ روشن ہوجاتا ہے، ساکن سے متحرّک، محدود سے وسیع، اور پست سے بلند ہوجاتا ہے، یہ سارے اشارے چراغِ روشن کے عمل میں موجود ہیں، جیسے چراغ جلانا اِنبعاث کی طرح ہے۔ روغنِ کثیف سے شعلۂ لطیف بن جاتا ہے، تاریک ماحول روشن ہوجاتا ہے، تیل کا روشنی بن کر حرکت کرنا۔ اور پھیل کر وسیع ہوجانا، اور شعلۂ چراغ کا بلندی کی طرف جانا۔

حکمت نمبر ۱۲ : اہلِ ایمان کے باطن میں جو خدائی چراغ روشن ہو

سکتا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے کئی مواقع پر حکیمانہ انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ جیسے آپ کا ارشاد ہے: اسلام کے نزدیک ایک صحت مند انسانی جسم ایک ایسا عبادت خانہ (معبد TEMPLE) ہے، جس میں روحِ قدسی کا شعلہ فروزاں رہتا ہے.... پھر امامِ عالیمقامؑ نورانی چنگاری (SPARK) کی اہمیت و ترقی پر زور دیتے ہیں، مولائے پاک کا ایک بابرکت فرمان یہ بھی ہے: آپ کی روح کے چراغ میں تیل کا ذخیرہ ہے، لیکن اگر آپ اس کو دیا سلائی سے نہیں سلگائیں گے تو روشنی کیسے ہوگی؟ آپ باقی ماندہ زندگی کو بے فائدہ اور بے خبری میں کتنے عرصے تک گنواتے رہیں گے؟ آپ باطنی علم سے آگاہ ہو جائیں۔

امامِ اقدس و اطہرؑ کے ایک خصوصی فرمان میں بھی بے حد دلنشین انداز میں روحانی اور عقلانی چراغ کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس کو روشن کرنے سے متعلق تمام ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔

حکمت نمبر ۱۳: چراغِ روشن اس امرِ واقعی کی علامت و دلالت ہے کہ ہر مومن زندہ شہید ہے، اور ایسے شہیدوں کے لئے دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی اجر اور نور ہے۔ آیۂ کریمہ قرآن پاک (۵۷/۱۹) میں پڑھ لیں، اور حدیثِ شریف یہ ہے: کُلُّ مُؤمِنٍ شَھِید۔ یعنی ہر مومن

شہید کا درجہ رکھتا ہے۔

حکمت نمبر ۱۴ : چراغِ روشن ایک مادّی روشنی ہے، جو نورِ ہدایت (امامِ زمانؑ) کی مثال بھی ہے اور گواہی بھی، چنانچہ جب چراغ جلایا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ مومنین امامِ حیّ و حاضر کو برحق مانتے ہیں، اور گواہی دیتے ہیں کہ یہی مولا مظہرِ نورِ الٰہی، نورِ نبیؐ، اور نورِ علیؑ ہیں۔

حکمت نمبر ۱۵ : خداوندِ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم "النّور" ہے، اور خدا کا یہی نام یعنی نور آیۂ مصباح میں آیا ہے، جیسے : اللّٰہ نور السّمٰوٰت والارض۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماءُ الحُسنیٰ آنحضرتؐ اور أئمۂ طاہرینؑ ہیں، جیسا کہ مولا علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے : انا اسمآءُ الحُسنیٰ و امثالہ العُلیا و اٰیاتہ الکُبریٰ۔ میں اس کے اسماءِ حُسنیٰ اور امثالِ عُلیا اور اس کی آیاتِ کُبریٰ ہوں۔ یعنی خدا کے بزرگ نام زندہ اور گویندہ ہیں (۷/۱۸۰) اسی طرح اس کی اعلیٰ مثالیں (۳۰/۲۷) اور بہت بڑے معجزات بھی زندہ ہیں (۵۳/۱۸)۔

حکمت نمبر ۱۶ : چراغِ روشن، جس میں آیۂ مصباح (۲۴/۳۵) اور آیۂ سراجِ مُنیر (۳۳/۴۶) کا یکجا ذکرِ جمیل موجود ہے، وہ کتاب روح و روحانیت اور نور و نورانیت کی مثال پر قائم ہے، اس لئے

چراغِ روشن گویا ایک حکمت آگین کتاب ہے، جس کا سب سے بڑا مقصد نور کی معرفت ہے، چنانچہ نور کی تین نسبتوں کا قبلاً ذکر ہو چکا، اب ہم یہاں چوتھی نسبت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ نور خدا، رسولؐ، اور امامؑ کے بعد مومنین و مومنات کا بھی ہے، جیسے سورۂ حدید (۱۲-۱۳/۵۷، ۱۹/۵۷، ۲۸/۵۷) اور سورۂ تحریم (۸/۶۶) میں ہے، اس بات کی شاندار تصدیق حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: فالمؤمن یتقلّب فی خمسۃ من النّور مدخلہ نور، ومخرجہ نور، وعلمہ نور، وکلامہ نور، ومصیرہ إلی الجنّۃ نور۔ پس مومن پانچ مقام پر نور سے بہرہ اندوز ہوتا رہتا ہے۔ اس کے داخل ہونے کی جگہ نور ہے، اس کے نکلنے کی جگہ نور ہے، اس کا علم نور ہے، اس کا کلام نور ہے، اور اس کا جنّت کی طرف لوٹ جانا نور ہے (المیزان، جلد ۱۵، ص ۱۴۰)۔

حکمت نمبر ۱۷: جب کوئی مومنِ سالک جسمانی موت سے پہلے ہی علم و عمل سے امامِ زمانؑ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس معنیٰ میں وہ فنا فی الرّسولؐ، اور فنا فی اللہ بھی ہو چکا ہوتا ہے، ایسے میں خدا اور رسولؐ اور امام کا نورِ واحد اس کا نور ہو جاتا ہے، یعنی اس پر یہ سرّ عظیم منکشف ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی انائے عُلوی میں نورِ مطلق سے

واصل رہا ہے، اور کبھی جُدا ہی نہیں ہوا، کیونکہ نور ایک ہی ہے، مگر آئینوں کی وجہ سے کثرت نظر آتی ہے، جیسے سورج کے لئے چاند اور بے شمار ستارے گویا آئینے یا مظاہر ہیں، پس ان کے اجرام میں فصل (جدائی) تو ہے، لیکن روشنی میں فصل نہیں، وصل ہی وصل ہے پھر بھی یہ چیزیں مادّی ہیں، اس لئے حقیقت کی کُلّی ترجمانی مشکل ہے۔

حکمت نمبر ۱۸ ؛ عالمِ کثرت (دُنیا) میں آفتاب، ماہتاب، اور بے حساب ستارے سب کے سب الگ الگ اور منتشر ہیں، جبکہ عالمِ وحدت کا قانون اس سے بالکل مختلف ہے، اس میں ایک ہی نور ہے، جو شمس و قمر اور نجوم سب کا کام کر رہا ہے، وہی مصباح و مصابیح اور سراجِ مُنیر بھی ہے، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کا یہ معجزۂ اکبر بڑا قیامت خیز ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی خدائی میں قبض وبسط کا کام کرتا رہتا ہے (۲/۲۴۵) یعنی عالمِ کثرت کو دستِ قدرت میں لپیٹ کر عالمِ وحدت بنا لیتا ہے، اور عالمِ وحدت کو پھیلا کر عالمِ کثرت بنا دیتا ہے، حالانکہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ قائم بھی ہیں، پس اگر ہم یہاں یہ کہیں کہ عالمِ وحدت یا عالمِ لطیف یک حقیقت (MONOREALITY) ہے تو انشاء اللہ یہ بات غلط نہ ہوگی۔

حکمت نمبر ۱۹ : آپ کو اس حکمتِ خداوندی میں بجا طور پر غور و فکر کرنا ضروری ہے کہ قرآنِ حکیم میں نورِ الٰہی کی مثل روشن چراغ (مصباح ۲۴/۳۵) ہے، اور نورِ نبیؐ کی مثل بھی روشن چراغ (سراجِ منیر ۳۳/۴۶) ہے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اس چراغِ ہدایت کو اہلِ انکار نہیں بجھا سکتے ہیں (۹/۳۲، ۸/۶۱) تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ بحقیقت عالمِ باطن میں دو نہیں ایک ہی روشن چراغ کافی ہے، کیونکہ جب خدا خود ہی اپنی کتابِ عزیز میں لفظِ "منیر"، کو اعلیٰ معنوں میں استعمال کرتا ہے (نورِ ازل = نورِ عقلِ کلّی = کتابِ منیر ۳/۱۸۴، ۲۲/۸، ۳۱/۲۰، ۳۵/۲۵، عرش و کرسی = قلم و لوح = سراجًا [وھّاجًا ۷۸/۱۳] قمرًا منیرًا ۲۵/۶۱) تو اسی نورِ واحد میں عالمِ وحدت کی جُملہ خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں، اور امامِ حیّ و حاضرؑ کی پاک و پاکیزہ ہستی بمرتبۂ جانشینِ رسولؐ اسی نورِ مطلق کی حامل ہے جس کا نام روشن چراغ ہے۔

حکمت نمبر ۲۰ : اگر کوئی عزیز مجھ سے یہ سوال کرے کہ جن اسمٰعیلی جماعتوں میں چراغِ روشن کا رواج نہیں ہے، اُن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آیا وہ اس نعمتِ عُظمیٰ سے محروم ہیں؟ یا اس جیسی نعمتیں ان کے پاس بھی ہیں؟ میں جواباً عرض کروں گا کہ دنیا میں

امامِ اقدس و اطہر علیہ السّلام کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں، جس کو کوئی خاص دینی نعمت حاصل نہ ہو، میں نے دُنیا کی کئی جماعتوں میں جاکر دیکھا اور جن ممالک میں نہیں جاسکا، ان کے بارے میں سُنا کہ مولا کے مرید دُنیا کے جس حصّے میں بھی ہوں، ان کے پاس امامِ زمانؑ کی محبّت اور وابستگی کے لئے کوئی نہ کوئی رسم ہوتی ہے، جس سے ان کو اعتقادی طور پر بڑا فائدہ ملتا ہے۔

حکمت نمبر ۲۱ : قانونِ فطرت اور فعلِ قدرت لوگوں کے ساتھ ساتھ ہے، جب کہ خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور وہ آدمی کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے (۵۰/۱۶) تو پھر اسمیں کیا رازِ پنہان ہے جو فرمایا گیا کہ خدا نے پیغمبروں کو بھیجا (اَرْسَلَ)؟ کتابیں نازل کی گئیں؟ روح بھیجی گئی (۱۹/۱۷)؟ اور اس نے نور نازل کیا (۴/۱۷۴) آیا اس قسم کے خطابات میں مکانی دُوری اور بلندی کا تصوّر موجود نہیں ہے؟ جواب: یہ مثالیں اور حجابات ہیں، اور ان کے ممثولات و محجوبات بڑے عجیب و غریب ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں عوام کو سمجھانے کی خاطر فرمایا گیا: اَرْسَلَ، اور یہی مثال حقیقت پر حجاب بھی ہے، پس اس کا ممثول و محجوب ہے: بَعَثَ (۲/۲۱۳) جس کے معنی ہیں: زندہ کیا، اور تاویل ہے: کاملین کو جیتے جی مقامِ روح پر بھی اور مرتبۂ عقل پر بھی موت و

حیات کا مکمّل عملی تجربہ کرانا، تاکہ ان کو ہر گونہ علم و معرفت حاصل ہو، اب ایسے میں خاصانِ الٰہی کو ہر نعمت دست بدست سامنے سے دی جاتی ہے، بھیجی نہیں جاتی، اور نہ ہی نازل ہوتی ہے، تاہم مکانی اور جُغرافیائی اعتبار سے نہیں، بلکہ روحانی اور شرفی لحاظ سے دُوری و نزدیکی یا پستی و بلندی بھی ہے۔

تاریخی نوٹ نمبر ۱: اس دفعہ سفرِ مغرب کے بعد یارقند (چین) جانے کا ارادہ مُصمّم ہوا، اور ۲، ستمبر ۱۹۹۲ء کو گلگت سے روانہ ہو کر سوست پہنچ گیا، دوسرے دن یعنی ۳، ستمبر کو کاشغر گیا، اور پانچ تاریخ کو یارقند، جہاں زرافشان میں میرا فرزندِ عزیز سیف سلمان خان اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر ہے، یارقند اور کاشغر میں تقریباً ۲۲ دن رہنے کے بعد واپسی ہو سکی، پروردگارِ عالم کے فضل و کرم سے سفر بہت کامیاب ہوا، ہر چند کہ طوفانی بارش کی وجہ سے ہمارے علاقے کا راستہ بڑی حد تک خراب ہو چکا تھا، جس کے سبب سے بہت کچھ تکلیف ہوئی، لیکن کامیابی کے بعد تکلیف کہاں یاد رہ کر ستاتی ہے؟

نوٹ نمبر ۲: خدا کی قدرت انتہائی نرالی شی ہُوا کرتی ہے، چنانچہ نہ تنہا مجھے بلکہ بہت سے لوگوں کو بھی اس واقعہ سے بڑا تعجّب ہوا کہ میرے بڑے بھائی سہرابی خان (جن کی عمر تقریباً ۹۰ برس کی تھی جو عرصے

سے علیل تھے) ملاقات اور مختصر بات چیت کے بعد ہی رات کے وقت انتقال کر گئے۔ ایسا لگا، جیسے اس میں خداوندِ عالم کی کوئی حکمت ہو، پھر ہم نے اپنی سعی حقیر کوشش کی، تاکہ ان بے شمار لوگوں کو جو سات دن تک مسلسل آتے رہے، کچھ نہ کچھ علم کی باتیں بتائیں، ہمارے علاقے کا رواج بھی یہی ہے کہ اگر ایسی محفل میں کوئی عالم شخص ہو، تو اس کی باتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، خداوندِ قدّوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ برادرِ بزرگ کی روح کے حق میں بہت سے مومنین و مومنات کی پُرخلوص دعاؤں کے علاوہ علمی گفتگو کا کارِ خیر بھی ہُوا۔

نوٹ نمبر ۳ : گلگت ہمارے علاقہ جات کا چھوٹا سا شہر اور مرکز ہے میں ۶ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو گلگت آیا۔ یہاں عظیم اور عزیز دوستوں کی ملاقاتوں کی ایک تازہ بہاری آمد آمد تھی، احباب بار بار پوچھتے تھے کہ ڈاکٹر فقیر محمد صاحب ہونزائی، رشیدہ نور محمّد ہونزائی، اور مسٹر ظہیر لالانی کب تشریف لاتے ہیں؟ ان کی اور دوسرے احباب و رفقاء کی ملاقات کی حلاوت اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ جاتی تھی، جب کہ ہم سب کسی روحانی مجلس میں جمع ہوتے تھے، چنانچہ چند بابرکت گھروں میں نورِ امامت کے بہت سے پروانوں کے ساتھ علم و ذکر کی محفلیں ہوئیں، جن میں ہر عاشقِ مولا مست و بیخود نظر آتا تھا، جیسے چیف ایڈوائزر

غلام قادر صاحب، صدر سلطان اسحاق صاحب، صوبیدار میجر عبدالحکیم صاحب، اور ریٹائرڈ دلدار صاحب، محبوب صاحب، الف خان صاحب؛ اور میں نے سنا کہ علی آباد میں ڈاکٹر اسلم صاحب کے گھر میں بھی سب پر یہ کیفیت گذری۔

نوٹ نمبر ۴: میں حیرت زدہ اور مبہوت ہوں کہ کس مُلک کے عزیزوں کا ذکرِ جمیل کروں! حالانکہ یہ بات ایک طرح سے آسان بھی ہے کہ ہم "ایک ہیں سب" کے قانون کو مانتے ہیں، تاہم باطن سے قبل ظاہر کے بہت سے مراحل آتے ہیں۔ لہٰذا کسی وجہ یا بہانے سے دوستانِ حمیم کا کچھ تذکرۂ شیرین ہونا چاہیئے، چنانچہ حسنِ اتفاق سے جب اس دلپسند مقالے کی حکمتیں ۲۱ ہوگئیں، تو مجھے شکاگو (امریکہ) کا ایک خوشگوار واقعہ یاد آیا، وہ یہ ہے:۔

میں ان دنوں عزیزانم حسن کامڈیا اور کریمہ حسن کے گھر آیا ہوا تھا، میرے دوسرے عزیزوں میں سے ایڈوائزر اکبر اے علی بھائیؑ اور انکی بیگم شمسہ اے۔ علی بھائیؑ ملاقات کے لئے آئے۔ اور انہوں نے اکیس (۲۱) قسم کے پھلوں کا دسترخوان بچھادیا، میں نے کہا کہ اتنے سارے پھل کیوں؟ کہنے لگے کہ آپ میں جو ریسرچ اور ہر چیز کو جاننے کا ذوق ہے اس کی تسکین کی خاطر، پھر میں نے شمسہ بیٹی سے کہا کہ پلیز، آپ ان

پھلوں کی لسٹ بنا دیں، تو انہوں نے ۲۱، میوؤں کے ناموں کو انگریزی میں لکھ کر دیا، جو اب تک میرے پاس محفوظ ہے، اور اس کی تاریخ ہے:
۱۹، جولائی ۱۹۹۲ء۔

نوٹ نمبر ۵: علم کی اس مقدس خدمت کے سلسلے میں جن جن عزیزوں کی جیسی قابل قدر شرکت ہے، اس کے باب میں ہم چند حقیر الفاظ لکھیں یا نہ لکھیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ خدائے علیم و حکیم کی طرف سے جو حافظین / کراماً کاتبین مقرر ہیں (۱۰-۱۱/۸۲) وہ تو کسی فرد گذاشت کے بغیر، ہر چیز کو لکھتے ہیں، لیکن قرآنِ پاک میں جس تاویل کے آنے کی پیش گوئی ہے (۷/۵۳) اس کا سلسلہ جاری ہے، اس لئے ہمیں حافظین: کراماً کاتبین اور نامۂ اعمال کے بارے میں فکرِ جدید کے تقاضوں اور روحانیت کے اصولوں کے مطابق سوچنا ہوگا، کیونکہ ہمارا یہ خیال درست نہیں کہ نامۂ اعمال کسی دنیوی کتاب کی طرح مادّیت میں ہوگی، جبکہ فرشتوں کی تحریر دنیا کی لکھت جیسی نہیں ہے، وہ تو اس سے قطعاً مختلف ہے۔ آپ کو کس طرح سمجھائیں کہ نامۂ اعمال ایسا ہے؟ تاہم ایک چھوٹی سی مثال ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ بتایا جا سکتا ہے، وہ متحرک فلم (مُووی = MOVIE) ہے، لیکن کتاب

اعمال جو روحانیت کی ہوتی ہے وہ معزز فرشتوں کی تیار کردہ ہوتی ہے، اس لئے وہ عقل و جان اور علم و حکمت کی خوبیوں سے آراستہ ہوا کرتی ہے، جبکہ دنیا کی فلم میں نہ تو عقل ہوتی ہے اور نہ جان، پھر بھی وہ اخلاقی، مذہبی اور علمی قسم کی ہو سکتی ہے، تاکہ ہم اس کے پیشِ نظر یہ کہہ سکیں کہ روحانیت یا فرشتوں کی تحریر کچھ ایسی ہوا کرتی ہے۔

نوٹ: خانۂ حکمت ریجنل برانچ گلگت کے صدر سلطان اسحاق صاحب کی پُرخلوص فرمائش پر چراغِ روشن کا یہ مقالہ لکھا گیا۔ ان کا دل امامِ زمانؑ کے نورِ عشق سے معمور اور روشن ہے اور آپ پیاری جماعت کے خیرخواہ اور علم و حکمت کے بڑے قدردان ہیں، اسی وجہ سے ان کے مشورے سے پر ایسا پُرحکمت مضمون تیار ہو گیا۔ الحمد للہ! خداوندِ عالم کا بہت بڑا احسان ہے۔

نصیر حقیر۔ کراچی

6/12/92ء

This page left blank intentionally

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حکیم پیر ناصرِ خسروؒ ایک علمی کائنات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہ یہ تو ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جہانِ ظاہر عالمِ کبیر ہے، اور انسان عالمِ صغیر، جیسا کہ پیر ناصرِ خسرو نے "روشنائی نامہ" میں ارشاد فرمایا:

مراین را عالمِ صُغرا اش گفتند
مرآن را عالمِ کُبرا اش گفتند

(ترجمہ:) اس یعنی انسان کو عالمِ صغیر کا نام دیا گیا ہے، اور بیرونی جہان عالمِ کبیر یا عالمِ اکبر کہلاتا ہے، دیکھئے قاموس القرآن صفحہ ۳۴۴ پر حضرتِ امام جعفر الصّادق علیہ السّلام کے حوالے سے لفظِ عالم اور عالمین کی تفسیر، تشریح، اور حقیقت۔

لیکن کیا اس معنیٰ میں عوام و خواص بلا فرق و امتیاز سب ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ امرِ واقعی یوں ہے

کہ انسان اگرچہ بحدِّ قوت ایک عالم ہے، تاہم یہ کاملین ہی کی مرتبتِ عُلیا ہے کہ صرف وہی حضرات اپنے آپ کو فعلاً ایک روحانی اور علمی کائنات پاتے ہیں، اور بس، اور یقیناً یہی وصف بدرجۂ کمال حکیم ناصرِ خسرو کا ہے۔

آپ کا ایک عرفانی خزانہ: روشنائی نامہ:

اس مثنوی کا آغاز اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں پیر صاحب فرماتے ہیں:

ہزاران سال اگر گُویند و پُویند
در آخر رُخ بخونِ دیدہ شُویند

(ترجمہ:) اگر وہ ہزاروں سال اسی طرح قیل و قال کرتے چلے جائیں، پھر بھی آخر کار وہ (ناکام ہوکر) خون کے آنسوؤں سے اپنا چہرہ دھولیں گے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

چُنین گفتند رَو بشناس خود را
طریقِ کفر و دین و نیک و بد را

(ترجمہ:) انھوں (یعنی پیغمبر اور امام علی علیہما السّلام) نے یوں ارشاد فرمایا کہ جا تُو اپنے آپ کو پہچان لیا کر، تاکہ تُو خود شناسی کے ذریعہ کفر و ایمان اور نیک و بد کی شناخت کرسکے۔ موصوف پیر کا اشارہ "اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربّہ" اور "مَن عَرَفَ نفسہ فقد عرف ربّہ" کی طرف ہے۔ یہاں

معرفت سے متعلق پہلا ارشاد آنحضرت صلعم کا ہے، اور دوسرا ارشاد مولا علیؑ کا، آپ اس کی حکمت پر خوب غور کریں : یعنی جو شخص تم میں سب سے زیادہ خود شناس ہو، وہی تم میں سب سے زیادہ خدا شناس ہے۔ جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا پس تحقیق اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔

اب یہ پوچھنا ضروری ہُوا کہ حکیم ناصرِ خسرو کے نزدیک انسان کی خودی، یا انا، یا حقیقت کیا ہے؟ یا یوں سوال ہونا چاہیئے کہ آیا نفس سے روح مراد ہے؟ کونسی روح؟ روحِ نباتی؟ روحِ حیوانی؟ روحِ انسانی؟ یا روحِ قدسی؟ آیا اسی کتاب میں کہیں ہمارے اس اہم ترین سوالؔ کا تسلّی بخش جواب مل سکتا ہے؟ کیوں نہیں، وہ جوابِ با صواب حسبِ ذیل ہے:-

۱۔ توئیِ جانِ سخن گوئیِ حقیقی
که با روح القدس دائم رفیقی

۲۔ بہ چشمِ سر جمالت دید نتیست
کسی کو دید رُؤیت چشمِ معنیست

۳۔ زجای و از جہت باشی مُنزّہ
ببین تا کیستی انصافِ خود دہ

۴۔ بگر تا در گمان این جا نیفتی
قدم بفشار تا از پا نیفتی

۵۔ صفت ہایت صفت ہای خدائیست
ترا این روشنی زان روشنائیست

۶۔ ہمی بخشند کز د چیزی نکاہد
ترا دادو دہد آن را کہ خواہد

۷۔ ز نورِ اُو تو ہستی ہیچو پر تو
وجودِ خود بپر داز وُ تو اوشو

۸۔ حجابت دُور دارد گر بجوئی
حجاب از پیش بر داری تو اُوئی

۹۔ اگر دعوای کنم واللہ کہ جا لیست
حقیقت ناصرِ خسرو خدا یست

ترجمہ :۔

۱۔ تو دراصل وہ روح ہے جو حقیقی معنوں میں بولنے والی ہے، کیونکہ تو ہمیشہ روح القدس کی رفاقت میں ہے،

۲۔ تیرے روحانی حسن و جمال کو ظاہری آنکھ دیکھ نہیں سکتی، جس نے یہ دیدار دیکھا ہو وہ تو دیدۂ باطن ہی سے ہے،

۳۔ تو بحقیقت مکان و اطراف کی قید سے پاک و برتر ہے، ایسے میں دیکھ کہ تو کون ہے اور اپنا انصاف خود کرلے۔

۴۔ اچھی طرح دیکھ لے تاکہ یہاں گمان میں نہ پھنس جائے، قدم

جما کر چلنا تاکہ تُو گر نہ جائے،

۵۔ تیری اصل صفات خداوندِ عالم کی صفات ہیں (بحکم حدیثِ شریف: تخلّقوا باخلاق اللّٰہ)، تجھ کو یہ روشنی اُسی روشنی سے حاصل ہے،

۶۔ خدا تعالیٰ نور اس طرح عطا فرماتا ہے کہ اس سے کوئی شئی ہرگز کم نہیں ہوسکتی، تجھے دیا ہے اور جس کو چاہے دے سکتا ہے،

۷۔ اس کے نور کا تُو گویا زندہ عکس (تصویر) ہے، اپنی ہستی سے فارغ (فنا) ہوکر تُو "وہ" ہوجا،

۸۔ اگر تُو اس کو طلب نہ کرے تو تیرا حجاب تجھ کو اس سے دُور رکھے گا، اور جب تُو اپنے سامنے سے حجاب (پردہ) ہٹائے تو یقین ہوگا کہ تُو "وہ" ہے،

۹۔ اگر میں دعویٰ کروں تو خدا کی قسم برمحل ہے کہ حقیقت میں ناصرِ خسرو فنا فی اللّٰہ و بقا باللّٰہ کا ایک نمونہ ہے۔

ترکِ تقلید۔ دعوتِ فکر و تحقیق اور تاویل:

حضرتِ پیر فکر و تحقیق اور تاویل کی طرف پُرزور دعوت دیتے ہوئے تقلید کی مذمّت کرتے ہیں، جیسا کہ سورۂ محمّد (۴۷/۲۴) میں ہے:

افلا یتدبّرون القراٰن ام علٰی قلوبٍ اقفالہا۔

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے

(لگے ہوئے) ہیں۔ چنانچہ شاہ ناصر کا قول ہے:

سراسر پُر ز تمثالست تنزیل
تُو ز و تفسیر خواندستی نہ تأویل

قرآن کا ظاہر (تنزیل) شروع سے لے کر آخر تک تمثیلات و تشبیہات سے پُر ہے، تُو نے اس کی تفسیر پڑھی ہے، لیکن تأویل سے بے خبر ہے۔

خزانۂ دُوُم: خوانُ الاِخوان:

یعنی برادرانِ اسلام و دوستانِ کرام کے لئے علم و حکمت کی گونا گون نعمتوں کا دائمی دسترخوان، جس کی روحانی اور عقلی لذّتیں کبھی کم نہیں ہوسکتیں، جبکہ ہر مادّی نعمت یا تو ختم ہو جاتی ہے، یا شکم سیری کی وجہ سے پھیکی ہونے لگتی ہے، لیکن علمی نعمت کا مزہ عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ بہشتِ روحانیّت کی لافانی حلاوتوں کو چھونے لگتا ہے۔

دسترخوان کی مناسبت سے یہ بات یاد آگئی کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السّلام کا ایک عظیم معجزہ یہ ہے کہ آپؑ کی درخواست پر خدائے بزرگ و برتر نے حواریوں کے لئے مائدۂ علمِ روحانی ($\frac{۵}{۱۱۴}$) نازل فرمایا، جس کا بہت بڑا رازِ روحانیّت اس طرح ہے: .... تکونُ عیداً لِّاوّلنا و آخرنا (تاکہ یہ ہمارے اوّلین و آخرین کے

حق میں عیدِ سعید ثابت ہو) یعنی اس میں اللہ کے اُس لطفِ عمیم کا مظاہرہ ہو جائے، جو ہر زمانے میں حدودِ دین پر محیط ہے۔

نمونۂ نعمت از خوانِ نعمت :

علم وحکمت کے اس وسیع وعریض دسترخوان کی انتہائی شیرین و خوشگوار نعمتوں کی رعنائی اور دلکشی کا کیا کہنا، جس پر ۲۱۰ صفوں میں قطار در قطار بہشتی غذائیں چُنی گئی ہیں، میں عالمِ حیرت میں دماغ پر زور دے دے کر سوچتا رہا کہ اس گنجِ گرانمایہ سے کس دُرِّ شہوار کو برائے نمونہ مُنتخب کروں، درحالے کہ یہاں علم ومعرفت کا ہر موتی انمول اور تابناک ہے! پس میں نے تھوڑی دیر کے لئے کتاب ہذا بند کرلی، اور نیّت کر کے دوبارہ کھولی، تو اس حال میں ص ۹۷ پر "صفِ بیست و چہارم" کا عنوان میرے سامنے آیا، جس کے تحت ہمارے عظیم المرتبت اور نامور حکیم پیر نے اپنے مخصوص اندازِ تحریر میں اسمِ بزرگِ "اللہ" کی دلنشین تاویل بیان کی ہے، پیر فرماتے ہیں کہ :-

جان لو کہ یہ چار حروف (ا ل ل ہ) جو اس بزرگ اسم (اللہ) میں ہیں، وہ چار اصول کی دلیل ہیں، جن میں سے دو روحانی اور دو جسمانی ہیں، کیونکہ تمام روحانی اور جسمانی مخلوقات کا قیام انہی کے نظام پر ہے جیسے مقرّب فرشتوں اور نیک بندوں کی مثال سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے، چنانچہ ان حروف میں سے ہر حرف دونوں جہان کی خوبیوں کا

سرچشمہ ہے، جیسے "الف" کہ وہ عقلِ کُلّ کے مقابل ہے، جو سرچشمۂ تائید ہے، اسمِ "اللہ" سے "لام" جو نفسِ کلّ کے مقابل ہے، جو ترکیب (تخلیق) کا سرچشمہ ہے، دوسرا "لام" جو ناطق کے مقابل ہے، جو تألیف (جمع آوری) کا سرچشمہ ہے، اور "ھاء" کہ وہ مقابلِ اساس ہے، جو بیان و تاویل کا سرچشمہ ہے، پس خدا کے اس نام کے حروف برابر ہیں دونوں عالم کی خیر و خوبی کے سرچشموں کے ساتھ، (یعنی عقلِ کلّ / قلم، نفسِ کلّ / لوح، ناطق، اور اساس)۔

خزانۂ سوم: گشائش و رہائش:

اس پُر حکمت رسالے میں حضرتِ پیر نے تیس ۳۰ انتہائی پیچیدہ مسائل کے حکیمانہ جوابات مہیا کر دیئے ہیں، ان اُلجھے ہُوئے اور شکوک و شبہات بھرے ہُوئے سوالات کو زمانے میں سوائے حکیم ناصرِ خسرو کے اور کوئی حل نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا آپ ہی نے یہ کام اپنے ذمّہ لیا، اور حجّتِ امام ع کی مرتبتِ عالیہ میں ہر بیان اور جملے سے علمِ روحانی کے جواہر بکھیر دیئے، لیکن مجھے بڑا افسوس ہے کہ ایسی عزیز و عالیشان کتاب کے متن میں چند مقامات پر کورانہ تقلید و تعصّب کی وجہ سے مخالفانہ جملے اس طرح داخل کر دیئے ہیں کہ ان کی شناخت طالب علموں کے لئے مشکل ہو گئی ہے، کیونکہ ایسی باتیں فٹ نوٹ، حاشیہ یا بریکٹ میں نہیں ہیں، تاہم اس پیاری کتاب کا وہ اردو ترجمہ جو

اسماعیلیہ طریقہ بورڈ میں محفوظ ہے، مذکورہ آلائش سے پاک ہے، کیونکہ جب محترم دوست جون ایلیا صاحب "گشائش و رہائش" کا ترجمہ کر رہے تھے، تو اُس دوران یہ خاکسار ان داغوں کی نشاندہی کرتا تھا۔

بطورِ نمونہ : سولھواں مسئلہ :

اے برادر تم نے یہ پوچھا ہے کہ عالَم کیا ہے؟ اور جس شیٔ کو عالَم کہتے ہیں، وہ کیا ہے؟ اسے عالم کیوں کہا گیا؟ اور عالم کتنے ہیں؟ بیان کرو، تاکہ ہمیں اس کی معرفت حاصل ہو۔

جواب : اے بھائی! جاننا چاہیئے کہ "عالَم" علم سے مُشتق ہے، اس لئے کہ عالمِ جسمانی کے اجزاء میں علم کے آثار نمایاں ہیں، ہم کہتے ہیں کہ عالم کی نہاد و بُنیاد بطورِ خود ایک حکمت اور تمام تر حکمت ہے، مثلاً عناصرِ اربعہ کا اجتماع، جن میں سے ہر ایک عنصر ایک اعتبار سے دوسرے کے موافق ہے، اور ایک اعتبار سے مخالف، جیسے آگ اور ہوا کہ یہ دونوں گرمی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مُتّحد ہیں، اور خشکی اور تری کے اعتبار سے مخالف اور جُدا، اسی طرح ہوا اور پانی تری کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مُتّحد ہیں، مگر گرمی و سردی کے اعتبار سے جُدا، یہی صورت پانی اور مٹی کی ہے کہ یہ دونوں سردی کے اعتبار سے مُتّحد ہیں، اور تری و خشکی کے اعتبار سے جُدا،

اسی طرح مٹی اور آگ خشکی کے اعتبار سے آپس میں متحد ہیں، اور سردی وگرمی کے اعتبار سے جدا۔۔۔۔

خزانۂ چہارم : رسالۂ حکمتی :

ہر چند کہ یہ رسالہ صرف ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، لیکن یہ حجتِ امام ؑ کے تائیدی علم کی دولت سے مالا مال ہے، اس لئے اہلِ دانش کے نزدیک یہ علمی کرامات کا مجموعہ ہے، اگرچہ ظاہری دریا کوزے میں بند نہیں کیا جا سکتا، لیکن **شاہ ناصر** قؔس نے خدا کے فضل و کرم سے ہر بار دریائے علم و حکمت کو کوزے میں بند کر دیا ہے، یہی سبب ہے کہ دنیائے علم و ادب میں آپ کی گرانمایہ کتابوں کا چرچا ہوتا رہا، جن پر بڑے شوق سے ریسرچ (تحقیق) کرتے ہوئے بہت سے محققین اپنی عمریں صرف کر رہے ہیں، ہمیں دیکھنا اور سوچنا ہوگا کہ موصوف حکیم کی طرف ایک دنیا کیوں مائل نظر آرہی ہے؟ آخر اس میں کوئی بڑا راز ہوگا! ہاں، وہ عظیم راز سید شاہ ناصر کا "علمِ لدنی" ہے، اور یہ آپ کے علمی ذخائر میں آج بھی درخشاں و تاباں موجود ہے۔

رسالۂ حکمت کے جواہر پارے :

رسالۂ ہذا چوٹی کے ۹۱ أسئلہ کے جواب میں ہے، وہ سوالاتِ حذف شدہ فلسفی، منطقی، طبعی، نحوی، دینی، اور تاویلی ہیں چنانچہ

حکیم نامور سب سے پہلے "دھر" سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دہر ارواحِ مجرّد کی بقائے مطلق کا نام ہے، جس کا تعلّق اِن موجودہ جسموں سے نہیں، دہر میں بگاڑ اور فنا کی کوئی گنجائش نہیں، نیز کہتے ہیں کہ دہر ایک ایسا زندہ وجود ہے جو اپنی ذات کو قائم رکھتا ہے، یعنی جس کی حیات اپنی ذات سے ہو وہ نہیں مرتا ہے، اور جو چیز نہیں مرتی ہے، اس کی بقا خود دہر ہی ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ دہر (ساکن ہے، یعنی اٹل، جس) سے زمان گردش کرتا ہے"....

خزانۂ پنجم: سفرنامہ:

دُنیائے علم و ادب کے بڑے نامی وگرامی عُلماء، فُضلاء، اُدباء، شعُراء، ڈاکٹرز، اور ریسرچ سکالرز نے جس شان سے حکیم ناصر خسرو کی پُر مغز و پُر مایہ کتابوں کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، اور جیسے مرقوماتِ زرّین کی جگمگاہٹ ہے، اس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، اور شدید خجالت و شرمساری کا احساس ہوتا ہے، اور اس بندۂ ناچیز کا دل کہتا ہے کہ کاش! اے کاش، ہم بھی ایسی سنہری تحریروں سے اُن عالیقدر کتب کا تعارف کرا سکتے! جبکہ ہم بجا طور پر علمِ امامت کے دلدادہ اور عاشق ہیں، جو ہم کو اپنے حجتوں اور پیروں کے توسط سے ملا ہے، کیونکہ بحکمِ قرآن و حدیث مومنین کے روحانی ماں باپ ہُوا کرتے ہیں۔

سفرنامہ کا ایک کمال :

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۳۷۔ سفرنامۂ (حکیم) ناصرِ خسرو۔ مترجمہ: مولوی محمد عبدالرزاق، کانپوری۔ شائع کردہ: انجمنِ ترقیٔ اُردو، (ہند)، دہلی۔ سنہ ۱۹۴۱ء

۱۔ تمہید :

سنہ ۱۳۱۶ھ / سنہ ۱۸۹۸ء میں دہلی جانے کا اتفاق ہُوا، زمانۂ طالب علمی سے شمس العُلَماء خان بہادر ذکاءُ اللہ دہلوی سے شرفِ نیاز حاصل تھا، لہٰذا سلام و مزاج پُرسی کے لئے مولانا کی خدمت میں بھی حاضر ہُوا۔ اثنائے گفتگو میں عربوں کی سیر و سیاحت کا تذکرہ شروع ہوگیا، اس کے بعد سیاحانِ عجم کی باری آئی، تو شمس العُلماء نے سفرنامۂ فارسیٔ حکیم ناصر خسرو کا ذکر کیا، اور یہ بھی ارشاد ہُوا کہ "خواجہ الطاف حسین حالی نے چند سال ہُوئے کہ یہ سفرنامہ مع مقدمہ شائع کیا ہے تم اس کو ضرور پڑھو۔"

مولانا سے رخصت ہوکر دریبہ (دہلی کا مشہور بازار) کی سَیر کی اور مشہور کتاب خانوں کو دیکھا تو حسنِ اتفاق سے سفرنامۂ مذکور جو سنہ ۱۳۰۰ھ / سنہ ۱۸۸۲ء میں شائع ہُوا تھا مل گیا، یہ نادر الوجود سفرنامہ نواب ضیاءالدّین احمد خان بہادر، رئیسِ لوہارو کے قلمی نسخے

کی نقل تھا، میں نے یہ سیاحت نامہ دورانِ سفر (از دہلی اسٹیشن تا کانپور) میں پڑھا اور پڑھ کر بے انتہا مسرّت ہوئی، کیونکہ نہ صرف ادبی حیثیت بلکہ وقایعِ سیاحت اور عجائباتِ عالم کے لحاظ سے بھی نہایت جامع اور دل چسپ تھا، اس بناء پر تنقید کی نظر سے دو مرتبہ اور مطالعہ کیا، جب مضامین اور طرزِ انشاء پر عبور ہو گیا تو نُدرت کے لحاظ سے ترجمے کا خیال پیدا ہُوا، اور اس ضرورت سے خواجہ بزرگ حالی کو جنوری ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں ایک عریضہ لکھا،....۔

خزانۂ ششم : جامع الحکمتین :

یعنی ایسی کتاب، جس کے موضوعات میں حکمتِ ظاہر (فلسفہ وغیرہ) اور حکمتِ باطن دونوں سے کام لیا گیا ہے، یہ پُر حکمت کتاب بھی ایسے بہت سے أسئلہ کے جواب میں تصنیف ہُوئی ہے، جو انتہائی مشکل ہیں، لیکن جن حضرات کے ساتھ آسمانِ روحِ اعظم کی تائیدات کام کر رہی ہوں، ان کے نزدیک کوئی مسئلہ مشکل نہیں ہو سکتا، چنانچہ حجّتِ خراسان کی یہی عادت تھی کہ آپ ہمیشہ انتہائی مشکل سوالات اور عُقدہ ہائے ناکشودنی کو لوگوں کے لئے حل کر دیتے تھے، جیسا کہ ان کی بابرکت کتابوں سے ظاہر ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ اپنی پسند اور معلومات کے مطابق بولنا اور لکھنا بڑا آسان کام ہے، لیکن علم و حکمت کا سب سے بڑا امتحان اُس وقت سامنے

آتا ہے، جبکہ کسی مشکل سوال سے واسطہ پڑے، مگر ہم یہ بات یقین سے کہتے ہیں کہ حُجّتِ مستنصری وہ عظیم المرتبت شخصیّت تھے، جن پر ہر وقت علمِ لُدنّی کے ابواب مفتوح رہتے تھے۔

نمونۂ حکمت از جامع الحکمتینؔ :

ص ۱۰۹، امّا اہلِ تاؔویل علیہم السّلام کا جواب عالمِ ابداع کے سات انوار کی نسبت یہ ہے جو فرمایا : جو کچھ عالمِ حسّی میں موجود ہے، وہ اس چیز کے اثر سے ہے جو عالمِ عُلوی میں موجود ہے جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ عالمِ ظاہر میں سات ستارے ہیں، جن سے مخلوقات روشنی اور لطافت حاصل کر رہی ہیں، تو یہ موجوداتِ نورانی (یعنی ستارے) اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ عالمِ عُلوی میں سات انوارِ اوّلی و ازلی ہیں، کہ وہ ازلی چیزیں علّتیں ہیں ان جسمانیوں کے انوار کے لئے، اور وہ سات ازلی انوار میں سے ایک تو ابداع ہے، دوسرا جوہرِ عقل، تیسرا مجموعِ عقل، کیونکہ اس کے تین مرتبے ہیں، یعنی وہ عقل بھی ہے، عاقل بھی ہے، اور معقول بھی، اور کسی موجود کے لئے یہ خاصیّت نہیں سوائے عقل کے، کہ وہ (یعنی فرشتۂ عقل) اپنے آپ کو جاننے والا ہے، اور اس کی ذات جانی ہوئی ہے، چوتھا نورِ نفسِ کلّ ہے، جو عقل سے مُنبعِث (برانگیختہ) ہوا ہے، پانچواں نورِ جدّ (اسرافیل) ہے، چھٹا فتح (میکائیل) ہے، اور ساتواں نورِ خیال

(جبرائیل) ہے۔

خزانۂ ہفتم : دیوانِ اشعار :

حضرتِ پیر کے ان القاب سے آپ کی روحانیت، نورانیت اور علم و حکمت کا پتا چلتا ہے: حُجّت، حُجّتِ خراسان، حُجّتِ مستنصری، حُجّتِ فرزندِ رسولؐ، حُجّتِ نائبِ پیغمبرؐ، سفیرِ امامِ زمانہؑ، مأمور، امینِ امامِ زمانؑ، مختارِ امامِ عصرؑ، مُستعینِ محمدؐ، اور برگزیدۂ علیّ المرتضیٰ (دیوانِ اشعار، چاپِ دوم، مقدّمہ و شرحِ احوالِ ناصرِ خسرو، بقلمِ آقای تقی زادہ، ص ۱۴-۱۵)۔

ایک بڑا اہم سوال :

قرآنِ حکیم میں شاعری اور شعرا کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ہر شاعر کی یہ کوشش ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی خیالی کائنات کی بلندیوں میں پرواز کرتا رہے، اور خود ستائی کا مزہ بھی اڑائے، آیا ناصرِ خسرو کا شاعرانہ کلام عام شاعری سے بالاتر اور اپنی ذات کی ستائش سے پاک ہو سکتا ہے؟ وہ کیسے؟

اس کا جواب :

قرآن و حدیث کی حکمتوں سے ظاہر ہے کہ شاعری دو قسم کی ہوا

کرتی ہے، ایک حق پر مبنی ہوتی ہے، اور دوسری بر باطل، یعنی جو شاعر ہادیٔ برحق کی نورانی ہدایت سے مستفیض ہو، اس کے کلام میں خود از خود حکمت داخل ہو جاتی ہے، اور جو شاعر صراطِ مستقیم سے ہٹ گیا ہو، وہ گمراہ ہو چکا ہے، اس کی باتوں میں گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک میں گمراہ شاعروں کی پیروی کی مذمّت کی گئی ہے، (۲۶ / ۲۲۴ - ۲۲۵) پس اگر شاعری محض گمراہی کے سبب سے قابلِ مذمّت ہے، تو پھر یہ ہدایت کی وجہ سے لائقِ تحسین کیوں نہ ہو، جیسے رسولِ خداؐ حسّان بن ثابت سے فرماتے تھے: "پڑھو روح القدس تمھارے ساتھ ہے۔" اس سے ظاہر ہوا کہ جہاں حق کی حمایت میں شاعری ہو، وہاں فیضِ روح القدس شاملِ حال رہتا ہے، اور یقیناً یہ بات سید شاہ ناصر کی شاعری پر صادق آتی ہے، ایسے میں آپ کے پُر حکمت اشعار عالی اور پاک و پاکیزہ نظر آتے ہیں۔

خود ستائی وہاں ہوتی ہے، جہاں آدمی صرف اور صرف اپنی ہی ذات پر نظر رکھتا ہو، لیکن جب کوئی شاعر کسی رشتہ و نسبت کی بنا پر اپنی توصیف کر رہا ہو، تو یہ وصف درحقیقت اس شخص کا ہوتا ہے، جس سے اس کو نسبت یا قربت حاصل ہے، جیسے خواجہ حافظ کا قول ہے:

مصرع :- اے دل غلامِ شاہِ جہان باش و شاہ باش

یعنی اے دل شاہِ جہاں کی غلامی بہت بڑی عزّت ہے، اس لئے تو اس کا غلام ہو کر ایسی عزّت کا بادشاہ ہو جا۔ آپ اس مثال میں خوب غور کر کے یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آیا یہ حافظ کی خود ستائی ہے، یا بادشاہِ عالم کی مدح سرائی ؟

دُوسرا اہم سوال :

سورۂ یاسین (۳۶/۶۹) میں ارشاد ہے : وما علّمنٰہُ الشّعرَ وما ینبغی لہٗ۔ اور ہم نے نہ اُن (پیغمبر) کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ جبکہ شاعری کی تائید (مدد) روح القدس سے ہوتی ہے، اس میں کیا کمی تھی، جس کی وجہ سے وہ آنحضرت صلعم کی شان کے لائق نہ ہو سکی ؟

جواب : روح القدس کی تائید کے مختلف مدارج ہوا کرتے ہیں، جبکہ پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے (۲/۲۵۳) اسی طرح مراتب کا فرق اولیاء اور مومنین میں بھی پایا جاتا ہے (۳/۱۶۳) درحالیکہ ان میں سے ہر ایک کو حسبِ مرتبہ تائید حاصل ہو سکتی ہے (۵۸/۲۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ حضرتِ داؤدؑ اور حضرتِ سلیمانؑ کے مقدّس نغمے (مزامیر) خداوندی

تعلیم کے بغیر نہ تھے، لیکن جس ذاتِ جامع الصّفات پر قرآنِ عظیم نازل ہو رہا تھا، وہ اس قرآنِ عزیز کی بدولت شعر گوئی سے بے نیاز دیر تر تھی، پس آیۂ مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ خداوندِ عالم جس کو چاہے روح القدس کے توسّط سے لاہوتی اشعار کی تعلیم سے نوازتا ہے، لیکن پھر بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مرتبۂ عالیہ اس سے بہت بڑا ہے۔

نمونۂ اشعار : ص ۳۲۶ :

مرا حسّانِ او خوانند ازیرا ک
من از احسانِ او گشتم چو حسّان

(ترجمہ :) مجھے اس کا حسّان کہتے ہیں اس لئے کہ میں اس کے احسان سے حسّان (بن ثابت) کی طرح ہو چکا ہوں۔ پیر صاحب کے اس پُر حکمت اور روح پرور شعر میں بتائیدِ الٰہی بہت سی اعلیٰ خوبیاں جمع ہیں، مثال کے طور پر دیکھ لیں :

(الف :) اس میں حسان بن ثابت کی شاعری اور ان سے متعلق ارشادِ رسول صلعم کی طرف اشارہ ہے۔

(ب :) زمانۂ نبوّت اور اصحابِ کبار کی یاد دہانی ہے۔

(ج :) اس حوالے سے دینِ حق میں شاعری کی اہمیّت و افادیت کی دلیل ہے۔

(د) اس میں یہ ذکر ہے کہ امامِ عالیمقامؑ ہی کے احسان سے پیر ناصر حسّان ہو گیا ہے۔

(ہ) حسان کے معنی ہیں بہت خوبصورت، بہت نیکوکار۔

(و) پیر فرماتے ہیں کہ حضرتِ امام علیہ السّلام کے احسانات سے میری روح بیحد خوبصورت ہو گئی ہے، اور میں بہت نیکوکار ہُوا ہوں۔ حضرتِ پیر نے دیوان کے چھ مقامات پر اپنے آپ کی تشبیہ وتمثیل حسّان بن ثابت سے دی ہے، تاکہ ہم حقیقتِ حال کو سمجھ سکیں کہ اُن کے اشعار علمِ لَدُنّی کے نور سے منوّر ہیں۔

حکیم ناصرِ خسرو کا گرانمایہ دیوان ایک ایسے بحرِ عمیق کی طرح ہے کہ اس کی سطح پر اگرچہ مال ومتاع اور سیر وسیاحت کی کشتیاں چلتی رہتی ہیں، تاہم انمول موتیوں کو صرف اس کی گہرائیوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے، یعنی حضرت پیر کے اشعار کا ایک حکیمانہ پہلو بھی ہے، جس کا سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، مثال کے طور پر اس قصیدہ کو لیں، جس کا مطلع یہ ہے:-

ای خوانده بسی علم وجهان گشته سراسر
تو برزمی وازبرت این چرخِ مُدوّر

اس نظم میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:-

روزی برسیدم بدرِ شهری کان را
اجرامِ فلک بنده بُد آفاق مسخّر

(ترجمہ) میں ایک دن ایک ایسے شہر کے دروازے پر پہنچ گیا کہ اس کے لئے اجرامِ سماوی (سورج، چاند، ستارے، اور سیّارے) غلامی کر رہے تھے، اور دُنیا مسخّر تھی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ یہ دُنیائے ظاہر کے کس شہر کا دروازہ تھا؟ آیا یہ روحانی سفر اور امامِ زمانؑ کے نورِ اقدس تک رسائی کی مثال نہیں ہے؟ کیا یہ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا۔" کی عملی تفسیر و تاویل نہیں ہو سکتی؟ ہو سکتی ہے، اور یقیناً اس میں یہی حکمت ہے۔

حکیم ناصر فرماتے ہیں: وہ ایک ایسا شہر تھا کہ اس کے سارے باغات پھلوں اور پھولوں سے بھرے ہوئے تھے، تمام دیواریں نقش و نگار سے آراستہ تھیں اور زمین پر درخت ہی درخت نظر آ رہے تھے، اس کا صحرا سب پھولدار ریشمی کپڑے کی طرح منقّش تھا، اس کا پانی پاکیزہ اور کوثر جیسا تھا، ایسا شہر کہ اس میں بغیر (علم و) فضل کے کوئی گھر ہی نہیں ہے، ایک ایسا باغ کہ اس میں عقل کے سوا کوئی درختِ صنوبر نہیں مل سکتا، وہ ایسا شہر ہے کہ وہاں حکماء ریشمی لباس پہنتے ہیں، جن کو نہ کسی عورت نے بُنا ہے اور نہ کسی مرد نے، ایسا شہر کہ جب میں اس میں داخل ہو گیا تو میری عقل نے کہا کہ: یہیں سے اپنی حاجت کو طلب کر اور اس منزل کو نہ چھوڑ، تب میں اس شہر کے محافظ (دربانؑ جس سے امامِ وقتؑ مراد ہیں) کے پاس گیا، اور گزارش کی انھوں

نے فرمایا کہ: اب غم نہ کر کیونکہ تیری کان جواہر سے بھر گئی، ....

حق بات تو یہ ہے کہ حضرتِ پیر یہاں اپنی ابتدائی روحانیت کے واقعات و مشاہدات کو اس حدیثِ شریف کے مطابق پیش کر رہے ہیں، جس میں ارشاد ہوا کہ: انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی (امام زمانہ) اس کا دروازہ ہے) اس حکیمانہ نظم کے اس مقام پر آپ اچھی طرح دیکھ رہے ہیں کہ ہر عمدہ سے عمدہ تعریف و توصیف شہرِ علم کی ہو رہی ہے، تاہم بڑا عجیب واقعہ ہے کہ شہر میں داخلہ ملنے کے باوجود گیٹ (باب، دروازہ، دربان، محافظ) ہی سے رجوع ضروری ہے، اور حکمت اسی میں ہے، حضرتِ پیر شاہ ناصر اپنے اسی قصیدہ میں آگے چل کر فرماتے ہیں:-

دستم بکفِ دستِ نبی داد ببیعت
زیرِ شجرِ عالی پُر سایہ و مُثمر

(ترجمہ) اس (یعنی امام عصرؑ) نے میرے ہاتھ کو بیعت کے لئے دستِ پیغمبرؐ کی ہتھیلی میں دے دیا، اس عالیقدر اور بلند ترین درخت کے نیچے جو وسیع سایہ رکھتا ہے اور بہت زیادہ میوہ دیتا ہے۔ یہ بیعتِ رضوان (۱۸/۴۸) کی عملی تاویل ہے، جو روحانیت کی انتہا اور مرتبتِ عقل میں پیش آتی ہے، اس مقام کے بے شمار نام ہیں، چنانچہ درخت کی مثال لیں جو صرف

ایک ہی ہے، یعنی وہ درخت، جس کے نیچے روحانی اور عقلی بیعت لی جاتی ہے، لیکن آپ کو تعجّب ہوگا کہ یہی درخت شجرِ مولیٰؑ، درختِ زیتون، سدرۂ منتہا وغیرہ بھی ہے۔

خزانۂ ہشتم: تحلیلِ اشعارِ ناصرخسرو:

یہ بحر دلپسند کتاب مہدی محقّق استادِ دانش گاہِ تہران نے تألیف کی ہے، جس میں حضرتِ پیر کے ایسے اشعار کی تحلیل کی گئی ہے، جن پر براہِ راست قرآن و حدیث کی روشنی پڑتی ہے، یا وہ امثالِ عرب کے مطابق ہیں، اسی طرح خدا کے فضل وکرم سے یہ ایک اور گنجینہ مہیّا ہوا ہے۔

تحلیلِ اشعار کے نمونے:

پیر صاحب فرماتے ہیں کہ:

ہرکس کہ نیلفنجد او بصیرت
فرداش بہ محشر بصر نباشد

(ترجمہ:) جو شخص یہاں (اپنے لئے) بصیرت جمع نہ کرتا ہو، کل قیامت میں اس کی آنکھ نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ قرآنی ہے: ومن کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی واضلّ سبیلاً (۱۷/۷۲)

ایزدعطاش داد محمّد را
نامش علی شناش ولقب کوثر

(ترجمہ:) خداوندِ عالم نے حضرت محمّد صلعم کو عطا کر دیا، (وہ شخص) جس کا نام علیؑ ہے، اور لقب کوثر۔ اِنّآ اَعطینٰکَ الکوثر (۱۰۸/۱)۔

تن تُرا گورٗ است بی شک ہم چنان چون وعدہ کرد
روزی از گورت برون آرد خدایِ دادگر

(ترجمہ:) یقیناً جسم تیرے لئے قبر ہے (لہٰذا) جیسے اس نے وعدہ کیا ہے، ایک دن خدائے عادل تجھے اس قبر سے نکال دے گا۔ (۲۲/۷) اس سے ظاہر ہُوا کہ قبر کی تاویل جسمِ انسانی ہے۔

بغارِ سنگین در نہ بغارِ دین اندر
رسول را بدلِ پاک صاحبُ الغاریم

(ترجمہ:) پتھر کے غار میں نہیں، دین (یعنی روحانیّت) کے غار میں ہم اپنے پاکیزہ دل سے پیغمبرؐ کے یارِ غار ہیں (۹/۴۰)۔ یہاں سے معلوم ہُوا کہ غار سے روحانیّت مراد ہے، پس اصحابِ کہف کچھ ارواح کا نام ہے۔

چو جانت قوی شد بایمان وحکمت
بیاموزی آنگہ زبانہای مرغان
بگویند با تو ھمان مُور و مرغان

که گفتند ازین پیش تر با سلیمان

(ترجمہ :) جب تیری روح ایمان اور حکمت کی بدولت مضبوط ہو جائے، تو اس وقت تو پرندوں کی بولی سمجھنے لگے گا، تجھ سے چیونٹیوں اور پرندوں کی وہی گفتگو ہوگی، جو اس سے پہلے حضرتِ سلیمان سے ہوئی تھی، (۲۷/۱۶) صراطِ مستقیم ہی راہِ روحانیت ہے، جو انبیا، اولیا، شہدا، اور صالحین کا راستہ ہے، اور انہی حضرات کے نقشِ قدم پر مومنین کو چلنا ہے (۴/۶۹) جس میں معجزات ہی معجزات ہیں، تاکہ معرفت حاصل ہو۔

آلِ رسولِ خدای حبلِ خدایست

گرش بگیری ز چاہِ جہل بر آئی

(ترجمہ :) خدا کے پیغمبرؐ کی آل (امامِ عصرؑ) ہی خدا کی رسّی ہے، اگر تو نے اسے مضبوطی سے تھام لیا، تو تو نادانی کے کنوئیں سے نکل کر مرفوع ہو جائے گا، (۳/۱۰۳) دنیا کی اچھی اور بُری بہت سی مثالیں ہیں، اور ایک مثال تاریک کنواں ہے، جس سے لوگوں کو نکالنے کے لئے اللہ نے عالمِ بالا سے اپنے پاک نور کی رسّی اُتار دی ہے۔

رسول خود سخنی باشد از خدای بخلق

چنانکہ گفت خداوند در حقِ عیسیٰ

(ترجمہ :) (کتاب کے علاوہ) پیغمبرؐ خود بھی خدا کی جانب

سے لوگوں کے لئے کلمہ اور کلام کا مرتبہ رکھتا ہے، جیساکہ خداوندِ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا ہے (.... بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ ۳/۴۵) اس دلیل سے حضرتِ رسولؐ اور حضرتِ امامؑ کے قرآنِ ناطق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

بسانِ طیبرِ ابابیل لشکری کہ همی
بیوفتد گہری زو بجای ہر حجری

(ترجمہ:) جھنڈ کے جھنڈ پرندوں کی طرح ایک لشکر (آئے گا) کہ (جہاں ہاتھی والوں پر پتھر گرائے گئے، وہاں) اس لشکر سے ہر پتھر کی جگہ ایک گوہر گرے گا (۳-۴/۱۰۵)۔ بہت زیادہ سوچنے کا مقام ہے کہ حکمتِ قرآن بڑی عجیب و غریب ہُوا کرتی ہے۔

قصّۂ سلمان شنیدستی و قولِ مصطفیٰؐ
کو ز اہل البیت چون شد بازبانِ پہلوی

(ترجمہ:) تُونے سلمان فارسی کا قصّہ اور حضرتِ محمّد مصطفیٰؐ کا ارشاد سُنا ہوگا، وہ (ایرانی تھا تو) فارسی زبان کے ساتھ کس طرح اہلِ بیت میں سے ہو گیا؟ حدیثِ شریف ہے: اِنَّ سلمانَ مِنّا اَھلَ البیتِ (بیشک سلمان (بلحاظِ روحانیّت) ہم اہلِ بیت میں سے ہے)۔

گرچہ یکبار زادہ اند بیابی
عالمِ دیگر اگر دوبارہ بزائی

(ترجمہ:) اگرچہ تجھے (فی الوقت) ایکبار جنم دیا گیا ہے، تاہم تُونے اگر دوبارہ جنم لیا تو تجھ کو دوسرا عالم مل جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے: لن يلج ملكوت السّموات من لم يولد مرّتين (جو شخص (جیتے جی مرکر) دوبارہ پیدا ہو جائے، وہ آسمانوں کی بادشاہی یعنی روحانیّت میں داخل نہیں ہو سکتا)۔

بمیانِ قدر و جبر رہِ راست بجوی
کہ سوی اہلِ خرد جبر و قدر درد و عناست

(ترجمہ:) تقدیر اور جبر (اختیار کا نہ ہونا) کے درمیان سیدھا راستہ ڈھونڈ لے، کیونکہ اہلِ دانش کے نزدیک جبر و قدر دُکھ اور تکلیف ہے۔ جیسا کہ حضرتِ امام جعفرِ الصّادق علیہ السّلام کا فرمانِ عالی ہے: لا جبرَ ولا تفويضَ بل أمرٌ بين الأمرين (آدمی (اعمال میں) نہ تو مجبور ہے اور نہ ہی مختارِ کُل، بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ایک حالت ہے) کتابِ گشائش و رہائش کے آخر میں بھی ملاحظہ ہو۔

سُوی آن باید رفتنت کہ از امرِ خدای
بر خزینۂ خرد و علمِ خداوند دراست

(ترجمہ:) تجھے اس شخص (یعنی امامِ برحقؑ) کی طرف جانا چاہیئے جو خدا کے حکم سے خداوندی عقل و علم کے خزانے پر دردربان کا مرتبہ رکھتا ہے۔ أنا مدينة العلم وعليٌّ بابها

فمن أراد العلمَ فليأتِ الباب۔

پرّت از پرہیز و طاعت کرد باید کز حجاز
جعفرِ طیّار بر عُلیا بدین طاعت پرید

(ترجمہ:) تجھ کو پرہیز و بندگی سے اپنے پر بنا لینا چاہیئے، کیونکہ حجاز سے جعفرِ طیّار (بن ابی طالب) اسی طاعت (کے پروں) سے پرواز کر کے عالمِ عُلوی میں پہنچ گیا ہے۔ رَأَیْتُ جعفراً لَہُ جَنَاحَانِ فی الجنّۃِ (میں نے جعفر کو بہشت میں دو پروں کے ساتھ دیکھا۔ حدیث)۔

بفرمود جُستن بچین علم دین را
محمّد۔ شدُم من بچینِ محمّد

(ترجمہ:) حضرتِ محمّد صلعم نے فرمایا: علمِ دین کی جستجو میں چین جانا چاہیئے، اِس لئے میں آنحضرتؐ کے چین (یعنی امامِ عالیمقامؑ کی نورانیت) میں گیا۔ أُطلبوا العلمَ ولو بِالصِّینِ (تم علم کو طلب کرو اگرچہ تمھیں چین جانا پڑے)۔

اندک اندک علم یابد نفس چون عالی بُوَد
قطرہ قطرہ جمع گردد وانگھی دریا شود

(ترجمہ:) جب کسی کی روح باسعادت اور عالیقدر ہو، تو اس کو ہر وقت تھوڑا تھوڑا (تائیدی) علم ملتا رہتا ہے، پانی قطرہ قطرہ جمع ہو جائے تو تب دریا بن جاتا ہے۔

وَقَطْرٌ إِلٰی قَطْرٍ إِذَا اجْتَمَعَتْ نَهْرٌ
وَنَهْرٌ إِلٰی نَهْرٍ اِذَا اجْتَمَعَتْ بَحْرٌ

(گلستانِ سعدی)

خزانۂ نہم : زاد المسافرین :

یعنی طریقِ روحانیت اور سبیلِ آخرت کا توشہ (زادِ راہ)
اس بے مثال و لاجواب کتاب کے بارے میں اگر میں یہ کہوں کہ مجھ ناچیز سے اس کا حقِ تعریف ادا نہیں ہو سکتا، تو شاید یہ اپنی ہی جگہ بلند رہے گی، ورنہ میرے طفلانہ الفاظ سے اس پر ایک حجاب پڑے گا، تاہم اِس کے لئے ایک چارۂ کار بھی ہے، وہ یہ کہ ہم حضرت پیر ہی کے قول سے اس حکیمانہ کتاب کی تعریف کریں، جیسا کہ موصوف نے اپنے دیوان میں فرمایا :-

زتصنیفاتِ من زادُ المسافر
کہ معقولات را اصلست و قانون
اگر بر خاکِ افلاطون بخوانند
ثنا خواند مرا خاک فلاطون

(ترجمہ :) میری تصانیف میں سے زاد المسافرین ایسی کتاب ہے، جو علمِ معقولات کی چیزوں (کو جانچنے اور پرکھنے) کے لئے "اصولات و قوانین" کا درجہ رکھتی ہے، اگر دیوتان کے

مشہور حکیم) افلاطون کی قبر پر یہ کتاب پڑھی جائے، تو (اس کے عجائب وغرائب کے شدید اثر سے) افلاطون کی مٹی میری تعریف وستائش کرنے لگے گی۔ یہ ہے اس گنجِ گوہر ہائے علم وحکمت کی تعریف۔

اس کتاب سے حکمت کے نمونے:

زاد المسافرین کے بڑے مضامین (اقوال) ۲۷ ہیں، اور ذیلی عنوانات یا فصلیں ۳۳۵، صفحات ۵۱۹۔ حکیم ناصر خسرو علوی نے یہ کتابِ شریف ۴۵۳ھ/ ۱۰۶۱ء میں تصنیف کی ہے، آپ کی بابرکت پیدائش ۳۹۴ھ میں ہوئی تھی، اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ حکیم نے یہ کتاب ۵۹ برس کی عمر میں تحریر کی ہوگی، آپ زاد المسافرین کے قول شانزدھم (۱۶) میں "مُبدِعِ حق، اِبداع، اور مُبدَع" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مُبدِعِ حق تعالیٰ کے اثر سے ہے، یہ نکتہ کلیدی اہمیّت کا حامل ہے، کیونکہ یہ علمِ اسرار میں سے ہے۔

اس کتابِ عزیز میں یہ بھی ارشاد ہُوا ہے کہ معقولات (عقلی چیزیں) زمان سے برتر ہیں (ص ۱۱۷) اور محسوسات زمان کے نیچے ہیں۔

کسی چیز کے ختم ہو جانے سے اس کا زمان ختم ہو جاتا ہے، لیکن دَھر زمان نہیں، جیسے کسی آدمی کے مرجانے پر اس کا

زمان اُٹھ جاتا ہے، پس اگر آسمان جس کی حرکت تمام حرکتوں پر محیط ہے ختم ہو جائے تو زمان کُلّی طور پر ختم ہو جائے گا، امّا دہر زمان نہیں، بلکہ یہ اپنی ذات کو زندہ رکھنے والی چیز کی زندگی ہے، جس طرح زمان ایک ایسی چیز کی زندگی کا نام ہے، جس کو کوئی اور چیز زندہ رکھتی ہے اور دھر کو گزر جانا نہیں، بلکہ وہ ایک ہی حال ہے، کیونکہ وہ ایسی شئی کی زندگی ہے، جس کا حال کبھی بدلتا نہیں، اور جب اس حقیقت کا تصوّر کیا جائے، تو اس وقت معلوم ہوگا کہ روحانیین پر زمان کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔

انسان ہر اس چیز پر بادشاہ ہے، جو آفرینش میں ہے، اور یہ روئے زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہے (ص ۴۶۲)......

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مُلکِ باطن پر بھی بادشاہ بنا دیا ہے (ص ۴۶۴)......

انسان اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہے، اور اس کی منزلِ مقصود حضرتِ خالقِ کائنات ہے (ص ۴۶۵)۔

یہ دنیا ایک ابتدائی منزل ہے، اور آدمی کی عمر ایک راستے کی مثال ہے، اور انسان کا سفر اس راستے پر اسی منزلِ مقصود کی جانب ہے، تاکہ وہ حضرتِ صانعِ عالم تک پہنچ جائے......

حضرتِ سیدنا ناصر خسرو (قدّس اللہ سرّہ) کی اس کتابِ شریف ولطیف میں بے شمار حکمتیں ہیں، جن کا قلمی احاطہ کہاں! اور میرا

چھوٹا سا مقالہ لکھا! یہ تو کئی کئی جلدوں کے دائرۃُ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی صورت میں بھی انتہائی مشکل کام ہے۔

خزانۂ دہم : وجہِ دین :

اگرچہ یہ ایک روشن اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ سیّدنا حکیم ناصرِ خسرو علوی (قدّس اللہ سرّہ) کی ہر کتاب بجائے خود علم و حکمت کا ایک گرانمایہ اور پائندہ گنجینہ ہے، تاہم کتابِ وجہِ دین کئی اعتبارات سے ان پیرِ کبیر کے جملہ کتب کا خلاصہ اور لُبِّ لباب (COMPENDIUM) ہے، پس ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب خزینۂ خزائن کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ کتابِ ہذا پیر شاہ ناصر کی آخری تصنیف ہے۔

اس کتاب کی حکمت کے نمونے :

میں کتابوں کا بیحد دلدادہ رہا ہوں، اور جس قدر بھی ہو سکا میں نے مختلف کتب کے مطالعے سے لطف اور فائدہ اُٹھایا، لیکن پیر ناصرِ خسرو کی کتابیں بڑی عجیب و غریب ہیں، خصوصاً وجہِ دین، کیونکہ یہ کتاب ایسی حیرت انگیز جامعیّت اور مغزِ حکمت سے بھر پور ہے کہ جُہدِ مسلسل کے باوصف اس کی علمی برکتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وجہِ دین کا خاص تعلق قرآن

وحدیث کی تاویل اور علمِ امامت سے ہے، یہ سب کچھ طریقِ باطن اور راہِ روحانیت کا نتیجہ ہے، یعنی اس میں کشف وکراماتِ روحانی کا عالم ہے۔

اگر آپ عرصۂ دراز سے کتابِ وجہِ دین کو پڑھتے آئے ہیں، پھر بھی آپ باور کریں کہ ہنوز اس کے بہت سے تاویلی بھید پردۂ اخفا سے ظاہر نہیں ہوئے، مثال کے طور پر گفتارِ ششم کی متعلقہ عبارت کو غور سے پڑھ کر تجزیہ کریں، اور جواب دیں کہ سیارۂ زمین (جو ہمیشہ گھومتا رہتا ہے) کی شش جہت یعنی آگے پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچے کا تعین کس طرح ہو سکتا ہے؟ تاکہ ہم یقین کر سکیں کہ زمین کے باشندوں کی چھ طرفیں ہیں اور خدا نے ہر طرف سے ان کے پاس ایک عظیم پیغمبر بھیجا ہے؟ لیکن نقشۂ دنیا کے گلوب پر الگ الگ چھ نشانات لگا کر کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اسی طرح لوگوں کو چھ اطراف سے چھ بڑے پیغمبر آئے ہیں، کیونکہ لوگ کسی ایک شہر یا کسی خاص ملک میں نہیں، بلکہ مختلف برِّاعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے لوگوں کی مجموعی اطراف نہیں ہیں، سوائے اوپر کے۔

لوگوں کے لئے چھ پیغمبر چھ اطراف سے کیسے آگئے، اس کی روحانی مثال اور معرفت عالمِ شخصی (عالمِ صغیر) میں ہے، چنانچہ کسی شک کے بغیر انسانی جسم کی چھ اطراف ہیں: آگے،

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، اور نیچے، پس حضرتِ پیرد کا اشارہ ہے کہ: عالمِ شخصی میں حضرت آدمؑ کا نور سر کی بالائی جانب سے آتا ہے، حضرت نوحؑ کا نور بائیں کان سے، حضرت ابراہیمؑ کا نور پشت سے، حضرت موسیٰؑ کا نور پاؤں سے، حضرت عیسیٰؑ کا نور داہنے کان سے، اور آنحضرت صلعم کا نور پیشانی سے داخل ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت امام جعفر الصّادقؑ کا دعائیہ قول ہے:-

.... وَنوراً بَینَ یَدَیَّ وَنوراً مِن خلفی وَنوراً عَن یمینی وَنوراً عن یساری وَنوراً مِن فوقی وَنوراً مِن تحتی .... (ملاحظہ ہو: قرآنی علاج، ص ۲۰۵)۔

وجہِ دین کے موضوعات:

اس مبارک و باکرامت کتاب کے بڑے بڑے موضوعات ۵۱ ہیں، اور ذیلی عنوانات ۴۴۲، تاہم سرتاسر کتاب میں پھیلے ہوئے مضامین اور بھی ہیں، جیسے خداشناسی اور علمِ توحید، نبوّت، امامت، علمِ عدد، روحانیّت، قیامت، حضرتِ قائمؑ، حجّتِ قائمؑ، علمِ تأویل، عددی تأویل، اسمِ اعظم، آفاق و انفس، پیش گوئی، اسرارِ روحانیّت، اصولِ دین، فروعِ دین، کلیدہائے حکمت، خودشناسی، سلسلہء

ہدایت، قانونِ وصایت، اسرارِ قرآن، وغیرہ۔

وجہ دین کی ایک کرامت:

جناب فضیلت مآب سیّد منیر صاحب (مرحوم) بدخشانی کا ایک راسخ العقیدت اور علم دوست شاگرد ہے، اس نے بہت پہلے مجھ سے یہ ذکر کیا تھا، کہ اس کو مطالعۂ وجہِ دین سے بیحد مزہ آنے لگا، جس کی بنا پر وہ روزانہ اسے پڑھا کرتا تھا، تاآنکہ یہ کام اس کا معمول بن گیا، اور زیادہ سے زیادہ خوشی محسوس ہونے لگی، اور نتیجے کے طور پر اس کی دیدۂ باطن کھل گئی، یہ وجہِ دین پر علمی ریاضت کرنے کی کرامت تھی، یاد رہے کہ اگر علم و حکمت کی خوشی سے آپ کو جھٹکے لگتے ہیں، تو یہ فیضِ روح القدس کی بہت بڑی خوشخبری ہے۔

کلیدی تاویل:

کتابِ وجہِ دین میں عملی اور کلیدی نوعیّت کی تاویل کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، جس کی برکتوں سے قارئین کے نہ صرف تشکوک و شبہات ہی کا ازالہ ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بے شمار سوالوں کے جوابات بھی مہیّا ہو جاتے ہیں، کیونکہ مرضِ جہالت و نادانی کا انتہائی مؤثر علاج تاویل ہی سے ہو سکتا ہے،

جبکہ تاویلی حکمت ہی وہ شہد ہے، جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶/۶۹) اس میں لوگوں کی (بیماریوں کی) شفا ہے)۔

حُدودِ دین :

تاویل کی بُنیاد حُدودِ دین پر قائم ہے، جس کے بغیر تاویل نہیں ہو سکتی ہے، اور یہ حقیقت وجہِ دین سے ظاہر ہو جاتی ہے، اگرچہ اب دَورِ قیامت ہے، جس میں صرف آفتابِ امامت کے سوا اور کوئی ستارا نظر نہیں آتا، لیکن ہم اپنے پاک مذہب کی روحانی تاریخ کیسے بھول سکتے ہیں، جس میں قلم، لوح، اسرافیل، میکائیل، ناطق، اساس، امام، حجّت، داعی وغیرہ کے کارناموں کا تذکرہ ہے، اور اسی کا نام تاویل ہے، اور معرفت کا راستہ بھی یہی ہے۔

امامِ عالیمقامؑ ـــ عالمِ شخصی :

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کا ارشاد ہے: کیا تیرا یہ گمان ہے کہ تُو ایک چھوٹا سا جسم ہے، حالانکہ تجھ میں عالمِ اکبر سما گیا ہے؟ اور تُو وہ بولنے والی کتاب ہے، جس کے حروف سے پوشیدہ اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پس اس قول و معنیٰ کا اطلاق سب سے پہلے خود مولا علیؑ اور ہر امامؑ پر ہوتا ہے کہ وہی عالمِ شخصیٔ نورانی ہے،

اور ایسی بولنے والی کتاب، جس سے تاویلی بھید ظاہر ہوتے رہتے ہیں،
اب بہت بڑا سوال یہ ہے کہ ناصر خسرو پر امامِ وقتؑ کا نور کس شکل میں طلوع ہوا؟ کیونکہ پیر صاحب اپنے دیوان میں کہتے ہیں: "جب میری روح پر امامِ زمان کا نور طلوع ہوگیا، تو میں جو قبلاً شبِ تاریک تھا روزِ روشن بن گیا۔" اس انتہائی عظیم سوال کا ازبس عجیب و غریب جواب یہ ہے کہ حکیم ناصر خسرو پر امامِ عصرؑ کا نور عالمِ شخصی اور عالمِ اکبر کی صورت میں طلوع ہو چکا تھا، جس میں سب کچھ تھا، اور وہی نورانی کائنات بولنے والی کتاب بھی ہے، اور حضرتِ شاہ ناصر کا علمِ تاویل اسی عالمِ لطیف سے متعلّق ہے، جس کا بیان وجہِ دین، کلام ۴ میں ہے۔

علمِ بیان — علمِ تاویل:

پیر صاحب نے وجہِ دین کے بہت سے مقامات پر تاویل کا ایک دوسرا ہم معنی لفظ "بیان" بھی استعمال کیا ہے، اور علمِ تاویل کو علمِ بیان کہا ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: وجہِ دین اردو، کلام ۴۶ کا آخری حصّہ، ص ۲۰۹، نامور حکیم کی اس لطیف تعلیم سے ایک بیحد خوبصورت معنوی انقلاب رونما ہو جاتا ہے، وہ یہ ہے: ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (۱۹:۷۵، پھر یقیناً اس کی تاویل بھی ہمارے ہی ذمّہ ہے) یعنی اے رسولؐ! قرآن

کی تأویل کا کام، ہم ہی آپ کے جانشین سے کرا دیں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے: (وجہِ دین اردو، کلام - ۳۵، ص ۱۲۲)۔

امامِ مُبین (۳۶/۱۲) :

جب سیّدنا حکیم ناصر خسرو کی شُہرۂ آفاق کتاب (وجہِ دین) میں تأویل کا دوسرا لفظ "بیان" ہے، تو آیئے اب ہم قرآنِ حکیم میں لفظِ مُبین کو بھی دیکھتے ہیں، چنانچہ معلوم ہے کہ سورۂ زُخرُف (۴۳/۱۸) میں اس لفظ کے معنی ہیں بولنے والا، بیان کرنے والا، پس امامِ مُبین کے معنی ہیں وہ امام جو ظاہر ہے اور تأویل کرتا ہے، کیونکہ جس کی ذات میں تمام روحانی اور عقلی چیزیں محدود اور جمع ہوں، وہی صاحبِ تأویل ہو سکتا ہے

عددی تأویل :

حضرت سیّد شاہ ناصر خسرو حجّتِ خراسان کی اس پُر مایہ اور بیمثال کتاب (وجہِ دین) میں جابجا عددی تأویل کی حکمت بھی نمایاں ہے، اس علمِ مخفی کا انتہائی اہم اور اساسی حوالہ کتابِ ہٰذا کے کلام ۴۸ میں ہے، جس میں مومنوں پر حق واجبات کا ذکر ہے، آپ وہاں اس روشن حقیقت کا بحُسن وخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ خدا و رسولؐ کے منشا کے مطابق دینِ حق میں عددی تأویل کا آغاز سب سے پہلے حضرتِ مولا علی، علیہ السّلام نے کیا، آپ وجہِ دین ترجمۂ اردو، کلام

۴۸ کو از صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۹ اچھی طرح سے پڑھ لیں۔

ایک علمی کائنات :

میرے نزدیک سب سے پسندیدہ اور سب سے زیادہ قابلِ فہم بات یہ ہے کہ موصوف حکیم علم و حکمت کی ایک کائنات ہیں، لیکن یہ وصف محض آپ کے خزائنِ کتب ہی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس میں اور بھی بے شمار چیزیں شامل ہیں، جو زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جارہی ہیں، مثال کے طور پر پیر ناصر کے حلقۂ دعوت کا پھیلاؤ کہاں کہاں تک ہے؟ اور دائرۂ فیوضاتِ کتب کی وسعت کا کیا اندازہ ہے؟ تقریباً ایک ہزار سال کی اس دعوتِ حق کے نتیجے میں جتنے خوش نصیب لوگ امام برحقؑ کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہو چکے ہیں، ان کی کیا تعداد ہو سکتی ہے؟ کیا ہر ایسا آدمی جو ناصر خسرو کا شاگرد ہو، بجائے خود ایک عالمِ شخصی نہیں ہے؟ اگر یہ تمام اثری وسعتیں اپنی اپنی جگہ درست اور حقیقت ہیں، اور یہ سب کچھ دعوتِ ناصری کی کائنات میں ہو رہا ہے، تو آیئے ان کے کچھ ایسے اشعار کو دیکھتے ہیں، جن میں ان تمام حقائق کی طرف اشارہ موجود ہے، وہ حکمت آگین اور دلنشین اشعار درجِ ذیل ہیں :۔

گر بایدت ہمی کہ ببینی مرا تمام
چون عاقلان بچشمِ بصیرت نگر مرا

منگر بدین ضعیف تنم ز آنکہ در سخن
زین چرخِ پُر ستارہ فزونست اثر مرا
ہر چند مسکنم بزمین است روز و شب
بر چرخِ ہفتمست مجالِ سفر مرا

(ترجمہ:) اگر تُو مجھ کو بطورِ کُلّی دیکھنا چاہتا ہے، تو داناؤں کی طرح مجھے چشمِ بصیرت سے دیکھ لے، میرے اِس کمزور جسم کو نہ دیکھا کر کیونکہ میرے قول کا اثر اس فلکِ پُر انجم سے بھی زیادہ ہے، اگرچہ دن رات میری جائے سکونت زمین ہی پر ہے، تاہم میں آسمانِ ہفتم پر بھی سفر کر سکتا ہوں (اِس سے آسمانِ روحانیّت مراد ہے)

اہلِ دانش کی نظر میں ان پُر مغز و حکمت آگین اشعار کا مجموعی مطلب واضح اور روشن ہے کہ حکیم ناصر خسرو ق س ظاہراً و باطناً ایک علمی کائنات ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی، تو آپ ہرگز نہ فرماتے کہ مجھے چشمِ بصیرت سے دانشمندوں کی طرح کُلّی طور پر دیکھنا، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی دینی حکیم جو حجّت یا پیسد کا مرتبہ بھی رکھتا ہو، وہ کبھی مُبالغہ آمیز باتیں نہیں کرتا، اس کا قول صداقت، حقیقت اور حکمت سے بھرپور ہوتا ہے، تاکہ اس کے توسّط سے امامِ برحق علیہ السّلام کی روشن ہدایت مُہیّا ہوتی رہے، پس یقیناً حضرتِ پیر ناصر خسرو پر امامِ زمان عؑ کا مُقدّس نور اپنی تمامیّت و کمالیّت کے ساتھ طلوع ہو چکا تھا، جس سے حضرتِ پیر کا عالمِ شخصی (PERSONAL WORLD)

منوّر و تابان ہُوا، جس کا ذکر شروع میں بھی ہُوا ہے۔

اختتام:

بڑی خوش آئند اور بیحد مفید بات ہے کہ گلگت میں حضرتِ پیر ناصر خسرو پر ایک دو روزہ سیمینار کا اہتمام ہُوا ہے، یقیناً اس علمی کام سے پوری جماعت کو زبردست خوشی اور شادمانی ہونے کے ساتھ ساتھ دوررس فائدہ بھی حاصل ہوگا، اور ہر طرف امام شناسی کی خوشبو پھیل جائے گی، جب اہلِ دُنیا چاہتے ہیں کہ ان کے ماحول میں پھول ہی پھول نظر آئیں، تو پھر دین میں علم کے پھولوں اور حکمت کے پھلوں کی کثرت و فراوانی کیوں نہ ہو۔

الحمدُ لِلّٰہ کہ ہمارے نامدار طریقہ بورڈ کے اعلیٰ افسروں نے ازراہِ عنایت اِس بندۂ کمترین کو بھی اس تاریخی سیمینار میں مدعو فرمایا ہے، والا نامہ کی تاریخ ۸۔ ستمبر ۱۹۹۰ء ہے، مجھے یہ معزز خط بمقام گلگت ۱۵ ستمبر میں موصول ہُوا، اس خاکسار نے کراچی آکر ۲۴ ستمبر میں تعمیلِ حکم کے لئے شروع کیا، پس قلیل وقت کی وجہ سے اس مقالے میں کوئی خامی رہ گئی ہو، تو میں معافی چاہتا ہوں، دعا ہے کہ خداوندِ قدّوس اپنی ہر ہر نعمت پہ ہمیں شاکر بنائے! آمین!

نصیرُ الدّین نصیرؔ ہونزائی

بروزِ عیدِ میلادُ النّبی ۱۲۔ ربیع الاوّل، ۳۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء ۱۴۱۱ھ

ادارہ خانۂ حکمت